سیّدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ۔ الرّابع

ایَّدہُ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ العزیز کا منظوم کلام

جو ۳۱۔ جولائی ۱۹۹۲ء کو جلسہ سالانہ یُو۔کے کے افتتاحی اجلاس میں پڑھا گیا۔

جو اجازت ہو تو عاشق درِ یار تک تو پہنچے
یہ ذرا سی اک نگارش ہے۔ نگار تک تو پہنچے

دلِ بے قرار قابو سے نکل چکا ہے۔ یا ربّ
یہ نگاہ رکھ کہ پاگل سرِ دار تک تو پہنچے

جو گلاب کے کٹوروں میں شرابِ ناب بھر دے
وہ نسیم آہ۔ پھولوں کے نکھار تک تو پہنچے

کچھ عجب نہیں کہ کانٹوں کو بھی پھول پھل عطا ہوں
مری چاہ کی حلاوت رگِ خار تک تو پہنچے

یہ محبّتوں کا لشکر ہے جو کرے گا فتحِ خیبر
ذرا تیرے بُغض و نفرت کے حصار تک تو پہنچے

مجھے تیری ہی قسم ہے کہ دوبارہ جی اُٹھوں گا
ترا نفخِ رُوح میرے دلِ زار تک تو پہنچے

جو نہیں شمار اُن میں تو غُراب پر شکستہ
ترے پاک صاف بگلوں کی قطار تک تو پہنچے

تری بے حساب بخشش کی گلی گلی ندا دُوں
یہ نوید تیرے چاکر گنہگار تک تو پہنچے

یہ شجرِ خزاں رسیدہ ہے مجھے عزیز یا رب
یہ اِک اور وصلِ تازہ کی بہار تک تو پہنچے

جنہیں اپنی حبلِ جاں میں نہ ملا سُراغ تیرا
وہ خود اپنی ہی اَنا کے بُتِ نار تک تو پہنچے

کسے فکرِ عاقبت ہے۔ انہیں بس یہی بہت ہے
کہ رہینِ مرگ "داتا" کے مزار تک تو پہنچے

ہے عوام کے گناہوں کا بھی بوجھ اس پہ بھاری
یہ خبر کسی طریقے سے حمار تک تو پہنچے

یہ خبر ہے گرم یا رب کہ سوار خواہد آمد
کروں نقدِ جاں نچھاور۔ مرے دار تک تو پہنچے

وہ جوانِ برق پا ہے۔ وہ جمیل و دلرُبا ہے
مرا نالہ اس کے قدموں کے غبار تک تو پہنچے

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

احمدی انصار کی تربیت کیلئے

اکتوبر ۱۹۹۲ء

ایڈیٹر
مرزا محمد الدین ناز

ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

اکتوبر ۱۹۹۲ء

ایڈیٹر

مرزا محمد الدین ناز

پبلشر :- چوہدری محمد ابراہیم

پرنٹر :- قاضی منیر احمد

مطبع :- ضیاء الاسلام پریس - ربوہ

مقام اشاعت

دفتر ماہنامہ انصار اللہ

دار الصدر جنوبی - ربوہ

اس شمارہ میں

جلد نمبر ۳۳

شمارہ نمبر ۱۰

شرح چندہ

پاکستان ——— تیس روپے سالانہ

قیمت فی پرچہ ——— تین روپے

اداریہ

روزے بگریہ یاد کند وقت خوش ترم

آوازِ فطرت کے نتیجہ میں جو صحت فکر اور سچی سوچ پیدا ہوتی ہے وہ منزل کی طرف راہنمائی میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور دانش مندی کا تقاضا یہی ہے کہ اس راست فکر کے جادۂ مستقیم پر گامزن ہو کر ہی منزل کو تلاش کیا جائے۔ بصورتِ دیگر حسرت و یاس میں منزل ملنا تو کجا غلط سوچ کے دھارے جنم لیتے ہیں جو اپنے دوش پر منزل کو بہت دور بہالے جاتے ہیں اور اس غلط سوچ کے نتیجہ میں عقل و دانش بھی لکیر پیٹنے تک ہی محدود رہتی ہے اس صورت میں سعی پیہم بھی لاحاصل دکھائی دیتی ہے اور کوششِ بسیار بے سود نظر آتی ہے۔ چنانچہ "گاہے گاہے باز خواں" کے زیر عنوان جناب فضل حق صاحب رقم طراز ہیں :۔

"پچھلے پندرہ سال سے پاکستان کی مذہبی فضا فکر انگیز ہے سرکار نفاذ اسلام کی مدعی ہے۔ علماء اور مشائخ سرکار میں شامل ہیں، مختلف سطحوں پر شریعت کمیٹیاں اور کمیشن مصروف کار ہیں۔ ہر سال قومی یا بین الاقوامی سیرت کانفرنس ہوتی ہے۔ اچھے مقالوں اور نعتوں پر انعام دئے جاتے ہیں۔ دوسرے مسلم ممالک میں بھی کسی نہ کسی رنگ میں احیائے اسلام کے تذکرے ہیں، دنیائے فرنگ خوفزدہ ہے......... چند دن ہوئے صدر پاکستان نے قومی سیرت کانفرنس کا افتتاح کیا تھا ان کی تقریر میں اسلامی دنیا کی زبوں حالی کا ذکر بہت تھا انہوں نے کہا کہ "اس وقت کرہ ارض پر پچاس مسلمان ملک ہیں لیکن ان میں کہیں بھی اسلامی ریاست قائم نہیں ہوئی" انہوں نے مزید کہا کہ "المیہ یہ ہے کہ ان ممالک میں اسلامی ریاست کی تخلیق میں کوشش بھی ہوئی، ذرائع کی بھی کمی نہ تھی۔ نیت بھی صاف تھی لوگ (عوام) کا تعاون بھی تھا۔ دانشور بھی بہت دستیاب تھے ان سب مثبت اثاثوں کے باوجود ملت کمزور ہے بوسنیا میں نہ فلسطین میں۔ کویت میں مسلمانوں کا خون بہا اور ملت کچھ نہ کر سکی" صدر مملکت نے مزید فرمایا کہ "ہم نے اگر کتاب اللہ پر عمل نہ کیا تو یہ زبوں حالی بڑھتی رہے گی"۔

بعد میں نتیجہ نکالتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"یہ کہنا پڑتا ہے کہ قرآن کی پابندی اور اس سے شدید ذاتی وفا کے نتیجے میں اسلامی معاشرہ وجود میں آیا کسی اسلامی سرکار نے اسلام کے فروغ یا اس کے نفاذ میں کوئی کردار ادا نہیں کیا........ پاکستان میں اور باقی دنیائے اسلام میں قرآن کی پیروی کی صورت حال نہایت غیر تسلی بخش ہے۔ ہمارے عمل اور قرآن کے احکام میں جو تضاد ہے اور ہمارے قول و عمل میں جو تفاوت ہے اس پر غور

کرنے سے

ہماری زبوں حالی کی ایک ہی وجہ نظر آتی ہے نہ ہم نے قرآن سے وفا کی ہے نہ پیغمبر اسلام سے......... خود فریبی، ہوس دنیا، خام ایمانی، قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی کھلم کھلا خلاف ورزی اور دنیائے اسلام میں عمومی طور پر اکابرین کی قرآن سے دوری پر تو کتابیں بھی لکھی جا سکتی ہیں۔ آج کم از کم دنیوی سطح پر اس حیات فانی کے ضروری اسباب کے حوالے سے، عزت و آبرو کے زاویے سے، خودداری اور خودانحصاری کے معاملے میں، ارض مغرب اپنے الحاد کے باوجود "فردوس برزمین" کا سا نقشہ ہے"۔

(روزنامہ جنگ لاہور ۳۰ ر ستمبر ۱۹۹۲ء ص۵)

جب عالم اسلام کی یہ حالت ہے اور کسی اسلامی ملک میں نفاذ اسلام کی صورت باوجود کوششوں کے پیدا نہیں ہو رہی اور حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے قرآن کریم بھی ہے۔ نیت بھی ہے۔ دانش بھی ہے۔ عوام کی خواہش بھی ہے لیکن ۔

قرآن بھی ہے، نیت بھی ہے، دانش بھی بہت ہے
سب کچھ ہے علاج غم افلاک نہیں ہے

جب بیماریاں موجود ہیں اور علاج نظر نہیں آرہا۔ بلکہ جو علاج تجویز ہوتا ہے اس سے مرض میں اور زیادتی ہوتی ہے تو پھر افرنگ کس لئے ڈرے گا اور عالم اسلام کی بیداری اور نشاۃ ثانیہ کے دعوے کوئی حیثیت نہیں رکھتے اور نہ ہی ان تعلّیوں میں کوئی حقیقت کا عنصر ہے جس سے غیر خوف کھائیں۔ جناب ایس ایم ظفر صاحب تحریر کرتے ہیں :۔

"میں پوچھتا ہوں کہ اس اسلامی بلاک سے کسے ڈر لگے گا؟ ہمارے ملک کے قائدین یہ تقاریر کیوں کرتے رہتے ہیں کہ روس کے خاتمہ کے بعد امریکہ کو اگر کسی سے ڈر ہے تو وہ اسلامی بلاک سے ہے؟ ہم یہ دھوکہ اپنے آپ کو اور اپنے عوام کو کیوں دیتے ہیں کہ ہماری قوت اور جبروت نے واشنگٹن کی نیندیں خراب کر رکھی ہیں۔ اگر امریکہ کی دلچسپی اسرائیل اور عرب ممالک کے زیر زمین تیل میں نہ ہوتی تو امریکہ ہمیں ہمارے حال ہی پر چھوڑ دیتا اور ہم خود اپنا حال مزید بگاڑنے میں کمی نہ کرتے.....

قوم سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب کوئی قائد ضرورت سے زیادہ دعوے کرے اور پاکستان کو یا اسلامی بلاک کو ایک طاقت ور اور عظیم قوت قرار دے تو اس لیڈر سے دلیل طلب کرے اور پوچھے کہ وہ ایسا کیوں کہتا ہے تاکہ تجزیہ ہو سکے اور بات حقیقت پر مبنی ہو۔ اب وقت آگیا ہے کہ قائدین کی ہربات پر ایمان لانا چھوڑ دیا جائے"۔

اسلامی بلاک کے عوام اور قائدین کی زبوں حالی بیان کرنے کے بعد جو آج کل زبان زد عام ہے اور اخبارات و جرائد کا اہم عنوان بن چکا ہے جناب ایس۔ایم۔ظفر اپنے اسی مضمون میں آواز فطرت کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"میں ایک دن سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن (راولپنڈی) میں وکلاء کے ہمراہ ایک بحث میں شامل تھا وہاں گفتگو کا رجحان اس موضوع کی طرف چل نکلا کہ امت مسلمہ کی زبوں حالی کا یہ عالم ہے کہ اب تو مسیحا کی آمد آمد ہے۔ دانش ور وکلاء یہ کہہ رہے تھے کہ ایسے حالات میں قدرت بالاخر ایک مسیحا کا انتخاب کرلیتی ہے اور میرے ان دوستوں کا اندازہ تھا کہ شہادتیں واضح ہیں کہ ایسا ہونے والا ہے۔

میں نے عرض کی کہ بے شک اللہ کی رحمت سے تو ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن ہمیں مسیحا کی تلاش جگہ جگہ کرنے کی بجائے عام آدمی پر توجہ دینی ہوگی اور اپنی اجتماعی قوت کو مسیحان کے لئے استعمال کرنا ہوگا جلد یا بدیر ہر مسلمان علاقے میں عوام کا دور آنے والا ہے اور اس آنے والے واقعہ کو جتنی جلدی ہم زبان دے ڈالیں گے اتنی سرعت سے یہ تبدیلی رونما ہو جائے گی اور اسلامی اخوت اور جمہوریت کے پروان چڑھنے پر ملوکیت اور شخصی فیصلوں کی جگہ عوامی شرکت سے کئے ہوئے فیصلے ہو سکیں گے"۔

(روزنامہ نوائے وقت ۱۳ر اکتوبر ۱۹۹۲ء زیر عنوان "وقت کو گرفت میں لے لو ہمارے لئے لمحہ فکریہ)

مسیحا کی آمد آمد کی پکار آوازِ فطرت ہے اور سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے عین مطابق! سوچ کا یہ انداز فطرتی ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ مسیحائی کا سرچشمہ خداتعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کی طرف سے جو نظام جنم لے گا وہ مسیحائی بھی کر سکے گا۔ اس کے علاج کے طور پر "مسیحان" کا وجود افتراق اور تشتت کا باعث بنے گا۔ "عوام کا دور" اس کا کیسے علاج قرار دیا جا سکتا ہے۔ یا "عوامی شرکت کے فیصلے" کیسے اس کا درماں ہو سکتے ہیں اسی علاج کی ناکامی کا رونا تو مضمون کے آغاز میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر یہ خود بخود "اجتماعی قوت" کے نتیجہ میں ہونا تھا تو انتظار کس کا ہے اب تک اجتماعی قوت کیوں نہیں بن سکی اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ عالم اسلام کی اس زبوں حالی کے دور میں جو روز بروز تنزل کی طرف بڑھ رہا ہے یک بیک ایسے عوامل پیدا ہو جائیں گے کہ مستقبل میں اجتماعی قوت بن کر ابھرے گا اور کیا مذہبی تاریخ میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے کہ خود بخود عوام اجتماعی قوت پیدا کر کے روحانی انقلاب لا سکے ہوں اور سارا معاشرہ اخلاقی اقدار کا حامل ہو گیا ہو۔ اگر ایسا نہیں اور ہرگز ایسا نہیں تو آج یہ سنت کیوں تبدیل ہو گی ۔ طفل تسلیوں کی بجائے راست فکر کی ضرورت ہے۔ فطرت کی آواز کی صحیح منزل تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ اپنے مزعومہ مسیحاؤں کے بتوں کو

پاش پاش کرنے کی ضرورت ہے۔

اے دانشورو! مسیحا ایک ہی ہے جس کے دامن سے آخری زمانہ کے تمام مسائل کا حل "وابستہ" ہے۔ اور امت کو اسے پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ اس کے بارہ میں پیشگوئیاں موجود ہیں اور اس پیارے وجود کی پیشگوئیاں ہیں جو خداتعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ سچا تھا اور جس کی زبان کو پورا کرنے کے لئے خداتعالیٰ کی غیرت جوش میں آتی ہے۔ ایک صدی سے فطرت اس مسیحا کو آوازیں دے رہی ہے اور وہ عین وقت پر آیا اور فرمایا ؂

میں وہ پانی ہوں جو آیا آسماں سے وقت پر

وہ مسیحا جو روحانی انقلاب لائے ہمیشہ خداتعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اور ہمیشہ اسی کی مسیحائی کا رنگ غالب آتا ہے۔ وہ کبھی وائے حسرت نہیں کرتا! وہ کبھی کفِ افسوس نہیں ملتا اپنی کوششوں کی ناکامی کا رونا نہیں روتا بلکہ وہ وسائل نہ ہونے کے باوجود' جلا وطنی اور دیگر ابتلاؤں میں بھی ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے۔ اس میں ناکامی کا خمیر نہیں ہوتا۔ چونکہ اس کے پیچھے تمام طاقتوں کا سرچشمہ خداتعالیٰ کی ذات ہوتی ہے وہ کسی دنیاوی طاقت سے خائف نہیں ہوتا بلکہ دنیا کی اصلاح کی فکر میں خداتعالیٰ کی خاطر ہر ایک کو اس کی خامی دور کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہے اس کی آواز عالمگیر ہوتی ہے اور صداقت کا مرقع ہوتی ہے وہ عوام کو اپنی طاقت کا سرچشمہ نہیں سمجھتا بلکہ خداتعالیٰ کو اپنی کامیابی کا محور سمجھتا ہے۔ ساری دنیا ایک طرف ہو اور وہ اکیلا انکے سامنے ڈٹ جاتا ہے اور بالآخر کامیابی اسی کے مقدر میں لکھی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ مسیحا کی آمد کی منتظر نہیں بلکہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ کے اس مسیحا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق سلام کا تحفہ پہنچاتی ہے۔ جس کے ذریعے عصر حاضر میں عالمی امن کا قیام مقدر ہے۔ چنانچہ اس پیارے امام کے چوتھے جانشین حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے جس طرح عالمگیر سطح پر خطبات کا سلسلہ جاری فرما کر دنیا کی براہ راست راہنمائی کا آغاز فرمایا ہے اور جس طرح امت محمدیہ کے ہر مسئلہ پر (فلسطین' کشمیر' خلیج کی جنگ وغیرہ) تبصرہ فرما کر اپنے دل کی تڑپ اور مدبرانہ قیادت کا اظہار فرمایا ہے۔ یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ تمام عالم کو امت واحدہ بنانے کا خدائی وعدہ پورا ہونے کا وقت قریب ہے اور یہ امت واحدہ کس کے ہاتھوں مقدر ہے اس کی نشاندہی بھی ہوتی ہے یہاں بلند بانگ دعوے نہیں بلکہ خداتعالیٰ کی ذات پر بھروسہ ہے اور جلاوطنی' بے بسی کے عالم میں بھی خداتعالیٰ کی تائیدات اور نشانات کے جلوے ہیں۔ کہ جتنا بھی اس آواز کو دبانے کی کوشش کی جائے گی وہ دبنے کی بجائے آسمانی رفعتوں کو چھونے لگے گی اور عالمگیریت کا رنگ پیدا کرنے لگے گی۔ الٰہی نوشتوں کے مطابق اب وہ وقت

قریب ہے کہ آخری زمانہ کے اس مسیحا کا جس کا شدت سے انتظار کیا جا رہا تھا مقام ظاہر ہو اور تمام عالم کی سعید فطرت طبائع کشاں کشاں اس سے فیض پانے کے لئے اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہوں اور اس کے عہد زریں کو یاد کر کے آنسو بہائیں ۔

امروز قومِ من نشناسد مقامِ من
روزے بگریہ یاد کند وقت خوشترم

❀ ❀ ❀

بقیہ: صفحہ ۴۰ اسماء الانبیاء

نام ۱۷۵ عیسوی تک Isaniya (عیسانیہ) تھا۔ یعنی متبعین عیسیٰ کی خانقاہ۔" (ص ۱۷)

مجھوشیہ پران میں ہے کہ ہمالہ دیش میں حضرت مسیح وارد ہوئے انہوں نے اپنا نام ایشا مسیح بتایا۔

تبت کے آثار سے حضرت مسیح کے حالات نکلے ہیں ان میں عیسیٰ (Issa) نام ہے۔

عراق میں حضرت یحیی کی امت مندیہ فرقہ کے نام سے معروف ہوئی ان کے لٹریچر میں "عیسو مسیحا" نام ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس زیر لفظ مندین)

حضرت مسیح کی کی مادری زبان آرامی تھی عیسیٰ آرامی عربی" میں ایک بامعنی لفظ ہے۔

صحیفہ ایوب کی زبان آرامی عربی کے اقرب ہے۔ اس میں بنات النعش کو یعنی رات کے "پہریدار" ستاروں کے جھرمٹ کو عاس اور عیس کہا گیا (۹،۹، ۳۲،۳۸) عربی میں عس، عسا وعسس کے معنی ہیں۔ رات کو پٹرول کرنا۔ رات کو پہرہ کے لئے پھرنا عس وعسس رات کا پھر کر پہرہ دینے والا عاس رات کو پٹرول کرنے والا۔

مفردات راغب میں ہے رات کے وقت پہرہ دینے والے کو عاس یا عساس کہا جاتا ہے پس عیسیٰ کے معنی آرامی اور عربی معنی ہیں شب تاریک کا نگہبان۔ عہد عتیق کی پیشگوئیوں میں آنے والے مسیح کو چوپان اور نگہبان کہا گیا حضرت مسیح نے بھی فرمایا کہ میں اپنی بھیڑوں کا اچھا چوپاں ہوں (یوحنا ۱۴، ۱۶، ۱۰) عیسیٰ اور چوپان میں گہری مناسبت اور معنوی مطابقت ہے۔ انجیل میں ہے جب تک میں ان کے ساتھ رہا میں نے تیرے اس نام کے وسیلہ سے جو تو نے مجھے بخشا ہے انکی حفاظت کی میں نے ان کی نگہبانی کی (یوحنا ۱۲، ۱۷) ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کے نام میں نگہبانی کے معنی شامل ہیں یہ نام عیسیٰ ہے۔

❀ ❀ ❀

امام الکلام

جو خدا کیلئے ہوتا ہے' خدا اس کا ہو جاتا ہے

"مجرم وہ ہے جو اپنی زندگی میں خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق کاٹ لیوے۔ اس کو تو حکم تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کے لئے ہو جاتا اور صادقوں کے ساتھ ہو جاتا مگر وہ ہوا و ہوس کا بندہ بن کر رہا اور شریروں اور دشمنان خدا اور رسول سے موافقت کرتا رہا۔ گویا اس نے اپنے طرز عمل سے دکھا دیا کہ خدا تعالیٰ سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ یہ ایک عادۃ اللہ ہے کہ انسان جدھر قدم اٹھاتا ہے اس کی مخالف جانب سے وہ دور ہوتا جاتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے الگ ہو کر ہوا و ہوس نفسانی کا بندہ ہوتا ہے' تو خدا اس سے دور ہوتا جاتا ہے اور جوں جوں ادھر تعلقات بڑھتے ہیں ادھر کم ہوتے ہیں۔ یہ مشہور بات ہے کہ دل را بدل رہیست۔ پس اگر خدا تعالیٰ سے عملی طور پر بیزاری ظاہر کرتا ہے تو سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ بھی اس سے بیزار ہے اور اگر خدا تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور پانی کی طرح اس کی طرف جھکتا ہے تو سمجھ لے کہ وہ مہربان ہے۔ محبت کرنے والے سے زیادہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے وہ وہ خدا ہے کہ اپنے محبوں پر برکات نازل کرتا ہے اور ان کو محسوس کرا دیتا ہے کہ خدا ان کے ساتھ ہے۔ یہاں تک کہ ان کے کلام میں' ان کے لبوں میں برکت رکھ دیتا ہے اور لوگ ان کے کپڑوں اور انکی ہر بات سے برکت پاتے ہیں۔ امت محمدیہ میں اس کا بین ثبوت اس وقت تک موجود ہے کہ جو خدا کے لئے ہوتا ہے' خدا اس کا ہو جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ اپنی طرف آنے والے کی سعی اور کوشش کو ضائع نہیں کرتا یہ ممکن ہے کہ زمیندار اپنا کھیت ضائع کر لے۔ نوکر موقوف ہو کر نقصان پہنچاوے۔ امتحان دینے ولا کامیاب نہ ہو۔ مگر خدا کی طرف سعی کرنے والا کبھی بھی ناکام نہیں رہتا۔ اس کا سچا وعدہ ہے کہ **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا** (العنکبوت ۷۰) خدا تعالیٰ کی راہوں کی تلاش میں جو جویا ہوا' وہ آخر منزل مقصود پر پہنچا۔ دنیوی امتحانوں کے لئے تیاریاں کرنے والے راتوں کو دن بنا دینے والے طالب علموں کی محنت اور حالت کو ہم دیکھ کر رحم کھا سکتے ہیں' تو کیا اللہ تعالیٰ جس کا رحم اور فضل بے حد اور بے انت ہے۔ اپنی طرف آنے والے کو ضائع کر دے گا؟ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر سال ہزارہا طالب علم سالہا سال کی محنتوں اور مشقتوں پر پانی پھرتا ہوا دیکھ کر روتے رہ جاتے ہیں اور خود کشیاں کر لیتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا فضل عمیم ایسا ہے کہ وہ ذرا سے عمل کو بھی ضائع نہیں کرتا"۔

(ملفوظات جلد اول ص ۹۰-۹۱)

کلام الامام

اے اللہ! اب میں آپ سے دور نہیں رہ سکتا

"دانا انسان کا یہ کام ہے کہ پہلے محبت سے کام لے اور اگر اس سے کام نہ چلے تو پھر خوف دلائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس سورۃ میں پہلے اپنی ان صفات کا بیان کیا ہے جن پر غور کرنے سے انسان کا دل محبت الٰہی سے پر ہو جاتا ہے اس کا نام اللہ ہے یعنی سب خوبیوں کا جامع اور سب نقائص سے منزہ ہے۔ سب اشیاء کا خالق اور ان کا رازق ہے۔ مومن و کافر سب کی ربوبیت کرتا ہے اس نے ہماری زیست کے وہ سامان جن سے ہم واقف بھی نہیں ہمارے لئے پیدا کئے ہیں اور ہم جو نیک عمل کریں ان کا بہتر سے بہتر انعام دیتا ہے جو لوگ کسی چیز کی خوبصورتی یا اس کے احسان کو دیکھ کر فرمانبرداری کرنے کے عادی ہیں وہ ان صفات کو دیکھ کر بے اختیار **ایاک نعبد** کہہ کر اس کے آگے جھک جاتے ہیں لیکن جو لوگ محبت کے اثرات سے ناواقف ہوتے ہیں اور سخت سلوک کے عادی ہوتے ہیں وہ **مالک یوم الدین** کی صفت پر جب غور کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جزاء سزاء کے دن کا مالک ہے اور ایک دن اس کے سامنے حاضر ہو کر اس کے سب انعامات کا حساب دینا ہوگا وہ خوف کیوجہ سے بے اختیار ہو کر اس کے آگے گردن جھکا دیتے ہیں اور **ایاک نعبد** کہہ اٹھتے ہیں غرض کوئی انسان ہو خواہ محبت سے متأثر ہونے والا خواہ خوف سے ماننے والا سورۃ فاتحہ کی ان ابتدائی آیات کو پڑھ کر بے اختیار **ایاک نعبد** کہہ اٹھتا ہے لیکن ساتھ ہی جب وہ ایک طرف تو اپنی کمزوری کو دیکھتا ہے اور دوسری طرف اس شہ خوباں کے حسن و احسان یا اس کی عظمت و جبروت کا مطالعہ کرتا ہے تو بے اختیار ہو کر **ایاک نعبد** کے ساتھ **وایاک نستعین** بھی کہہ اٹھتا ہے۔ یعنی میں تو حضور کا فرمانبردار ہوں اور آپ ہی کی عبادت کرتا ہوں لیکن حق عبادت ہے وہ مجھ سے ادا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں آپ ہی سے مدد چاہتا ہوں کہ آپ اس کام میں میری مدد فرمائیں اور حق عبادت ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ جب محبت اس حد تک پہنچ جاتی ہے اور عظمت الٰہی اس حد تک بندہ کو متأثر کر دیتی ہے تو پھر جیسا کہ فطرت انسانی کا تقاضا ہے وہ بے اختیار **اھدنا الصراط المستقیم** کہہ اٹھتا ہے یعنی مجھے سیدھا راستہ دکھایئے اور سیدھا راستہ ہمیشہ باقی راستوں سے اقرب ہی ہوتا ہے پس یہ کلام محبت کے کمال کو ظاہر کرتا ہے کہ اے اللہ! اب میں آپ سے دور نہیں رہ سکتا۔ آپ مجھے وہ سب سے نزدیک افراط و تفریط سے پاک راستہ دکھائیں جس پر چل کر میں جلد سے جلد آپ تک پہنچ جاؤں۔

(تفسیر کبیر حضرت مصلح موعود جلد اول ص ۴۸)

عربی منظوم کلام

قَدْ مَاتَ عِیْسٰی مُطْرِقًا وَّ نَبِیُّنَا   حَیٌّ وَّ رَبِّیْ إِنَّہٗ وَافَانِیْ

حضرت عیسیٰ چپ چاپ گذر گئے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور بخدا وہ مجھ سے ملے بھی ہیں

وَاللّٰہِ إِنِّیْ قَدْ رَأَیْتُ جَمَالَہٗ   بِعُیُوْنِ جِسْمِیْ قَاعِدًا بِمَکَانِیْ

قسم بخدا میں نے آپ کا جمال دیدۂ سر سے اپنے مکان میں بیٹھے دیکھا

لِلّٰہِ دَرُّکَ یَا إِمَامَ الْعَالَمِ   أَنْتَ السَّبُوْقُ وَسَیِّدُ الشُّجْعَانِ

آفریں تجھ پر اے امام عالم تُو سب سے بڑھا ہوا اور شجاعوں کا سردار ہے

أُنْظُرْ إِلَیَّ بِرَحْمَۃٍ وَّ تَحَنُّنٍ   یَا سَیِّدِیْ أَنَا أَحْقَرُ الْغِلْمَانِ

مجھ پر رحم اور محبت کی نظر کر۔ اے میرے آقا میں تیرا ایک ناچیز غلام ہوں

یَا حِبِّ إِنَّکَ قَدْ دَخَلْتَ مَحَبَّۃً   فِیْ مُھْجَتِیْ وَمَدَارِکِیْ وَجَنَانِ

اے پیارے تیری محبت میری جان، سر اور دماغ میں رچ گئی ہے

مِنْ ذِکْرِ وَجْھِکَ یَا حَدِیْقَۃَ بَھْجَتِیْ   لَمْ أَخْلُ فِیْ لَحْظٍ وَّلَا فِیْ اٰنٖ

تیرے منہ کی یاد سے اے میرے خوشی کے باغ میں کبھی ایک لحظہ بھی فارغ نہیں رہتا

جِسْمِیْ یَطِیْرُ إِلَیْکَ مِنْ شَوْقٍ عَلَا   یَا لَیْتَ کَانَتْ قُوَّۃُ الطَّیَرَانِ

میرا جسم شوق غالب کے سبب سے تیری طرف اُڑا جاتا ہے کاش مجھ میں اُڑنے کی قوت ہوتی

(درثمین عربی مترجم صـ ۲۰۶)

فارسی منظوم کلام

○

قومِ دیگر را چنیں رائے رکیک   در نشستہ از جہالت در سرے

ایک اور قوم کی ایسی ہی کمزور رائے ہے جو جہالت سے اس کے سر میں سما گئی ہے

کاں خدا ملکے دگر اندر جہاں   از دیارِ شاں ندیدہ خوشترے

وہ یہ کہ خدا نے دنیا میں کسی اور ملک کو اُن کے مُلک سے زیادہ اچھا نہیں بنایا

ہم دگر روئے چو روئے خوبِ شاں   نامدش مرغوبِ طبع و خاطرے

نیز اُن کے خوبصورت چہرے سے زیادہ کوئی چہرہ اُس کی طبیعت اور دل کو پسند نہیں آیا

لاجرم از ابتدائیش تا ابد   ماند و خواہد ماند آنجا بسترے

اس لئے ازل سے ابد تک اُس کا مقام اسی مُلک میں رہا اور رہے گا

مُلکِ دیگر گرچہ میرد در ضلال   می نگردد زو گہے مستفسرے

کوئی دُوسرا مُلک خواہ گمراہی سے مَر جائے لیکن وہ کبھی اُس کو نہیں پوچھتا

داد مر یک ذرّہ قومے را کتاب   ترک کردہ صد ہزاراں معشرے

صرف ایک، چھوٹی سی قوم کو کتاب دے دی اور لاکھوں گروہوں کو اُس نے چھوڑ دیا

کو گذارد عالمے را در ضلال   مبتلا در پنجۂ ہر ماکرے!

کیونکہ وہ ایک جہان کو گمراہی کی حالت میں ہر مکار کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ دیتا ہے

(درثمین فارسی مترجم ص ۲۰،۱۹)

احمدیہ گزٹ کینیڈا سے

تم ہی وہ قوم ہو جس نے آئندہ ساری دنیا میں انقلاب برپا کرنا ہے

اپنے ماضی کی طرف نظر کرو اور دیکھو کہ خدا نے تمہارے ساتھ کیسا بے نظیر سلوک کیا ہے اور مستقبل میں اعتماد کے ساتھ قدم رکھو

اے اہلِ کینیڈا! اہلِ خدا بن جاؤ! اسی میں تمہاری فلاح ہے اسی میں تمہاری کامیابی ہے

پندرھویں جلسہ سالانہ کینیڈا کے موقعہ پر سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے بصیرت افروز افتتاحی خطاب کا ترجمہ

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا۔

سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کا اس طرح شکر ادا کرتا ہوں جس طرح اس نے ہمیں اپنی کتاب قرآن مجید کی ابتدائی سورۃ یعنی سورۃ فاتحہ میں سکھایا ہے اور اپنے معزز مہمانان کرام کی طرف مخاطب ہوتا ہوں جو اپنا قیمتی وقت صرف کرکے ہماری اس تقریب میں شرکت کے لئے یہاں تشریف لائے ہیں۔

جس رنگ اور جن الفاظ میں ان میں سے بعض نے مجھے محبت بھرا خوش آمدید کہا ہے ان کے لئے میں ان کا ممنوں ہوں اور ان کی وساطت سے اس ملک کینیڈا کا بھی شکرگذار ہوں۔ یہ میرا بار بار کا تجربہ ہے کہ جب بھی میں یہاں آیا زندگی کے ہر شعبہ کے کینیڈین احباب نے میرا محبت بھرا استقبال کیا۔ یہ استقبال محض رسمی یا ازراہ شفقت نہ تھا بلکہ اس میں محبت اور گرم جوشی تھی جو اس دنیا میں جنس نایاب ہے۔ یہ ان کا خلوص تھا جس نے ہمیشہ مجھے مغلوب کیا۔ اور آج بھی اسی خلوص کے باعث پھر مغلوب ہوں۔ میں کینیڈین جذبہ مہمان نوازی، مشفقانہ سلوک اور

ان کی عجز کی راہوں کے لئے اللہ تعالٰی کے حضور ہمیشہ دعا گو رہا کہ وہ انہیں مستقبل کی آزمائشوں میں بھی ان کے لئے قائم و دائم رکھے۔

آج اس ملک کے لئے کئی آزمائشیں درپیش ہیں۔ میں اس ملک کے اخبار و حالات سے آگاہی حاصل کرتا رہتا ہوں اور فنی لحاظ سے اگرچہ میں اس ملک کا شہری نہیں لیکن میرا دل بھی اور میری روح بھی اس عظیم ملک میں اٹکے رہتے ہیں۔ میرا یہ حال صرف اسی ملک کے ساتھ وابستہ نہیں میں تو عالمگیر جماعت احمدیہ کا امام ہوں۔ جو آج دنیا کے سوا سو ممالک میں قائم ہو چکی ہے۔ میرے مخلصانہ جذبات حقیقتاً سبھی کے لئے یکساں ہیں۔ احمدی جہاں بھی ہیں میں بھی وہاں ہوں اور میرے اس تعلق میں کسی قسم کی ظاہرداری نہیں۔ بناوٹ نہیں اور کوئی تصنع بھی نہیں۔ میرا رشتہ ان فرائض میں سے ہے کہ میں انہیں کچھ دیتا رہوں نہ کہ ان سے کچھ وصول کیا کروں اور آج میں اسی موضوع پر آپ سے خطاب کروں گا۔

چند ہفتے گذرے کہ میں شمالی امریکہ کے لئے آ رہا تھا کہ مجھے ایک رات میکسیکو ٹھہرنے کا بھی موقع ملا۔ اور اس ملک کے دانشوروں سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ ان میں سے ایک نے مجھے بتایا کہ ہمارے صدر محترم نے ایک مرتبہ میکسیکو اور امریکہ سے تعلق کے بارہ میں ایک دلچسپ فقرہ کہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ "اے مفلس میکسیکو تو دولت مند امریکہ سے کس قدر قریب ہے مگر خدا سے کس قدر دور" مجھے یہ فقرہ سن کر بے حد صدمہ ہوا اور اچانک میرا ذہن کینیڈا کی طرف گیا گو کہ مجھے صدر میکسیکو کی بات سے اتفاق نہ تھا اور میں کینیڈا کے متعلق یہ نہ کہہ سکا کہ "اے مفلس کینیڈا امریکہ سے قریب تر اور خدا سے دور تر"

یہ خیال مجھے کیوں آیا۔ آج میں اس بارہ میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ یہ فقرہ دلچسپ اور چست تو ہے۔ مشاہدہ بھی فکر انگیز۔ مگر میں نے جب اس پیغام پر تدبر کیا تو اس میں خلوص کا فقدان نظر آیا۔ ان کا یہ فقرہ صحیح اور دلچسپ سہی مگر اس سے اس ملک کے کسی شخص کی زندگی میں انقلاب نہ آسکا۔ یہ فقرہ اس خلوص سے عاری ہے اور اس مقصدیت سے خالی جس سے دلوں میں قوت عمل پیدا ہوتی ہے اور وہ اصلاح پذیر ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی بات محض ایک فقرہ ہی رہی اور ایک دلچسپ بات۔ مگر اس سے آگے کچھ نہیں۔ اس فقرہ میں نہ خلوص تھا نہ مقصدیت۔

میں نے اس فقرہ پر غور بھی کیا۔ اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ ملک سے قریب تر ہونا تو خطرہ کی بات نہیں۔ مگر خدا سے دوری ضرور خطرہ کا باعث ہے۔ آپ امریکہ سے قریب ہیں یا دور۔ مگر میں نے وہ ملک دیکھے ہیں جو ان برائیوں میں ملوث ہیں جو امریکہ یا دیگر یورپین ممالک سے دساور کو برآمد کی جاتی ہیں اور دور دور پھیلتی چلی جا رہی ہیں اگر وہ ممالک ان برائیوں میں ملوث ہو گئے ہیں تو پھر بدی سے میلوں کا قرب و بعد کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اسی طرح اور بھی

بدیاں ہیں۔ جو مشرقی ممالک سے پھوٹ رہی ہیں اور دنیا میں پھیلتی چلی جا رہی ہیں۔ پس اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ برائی سے متاثر ہونے والے ممالک بدی پھیلانے والے ملک سے قریب تر ہیں یا دور۔

جب میں انگلستان میں تعلیم پا رہا تھا تو مجھے یاد ہے کہ ان دنوں رشوت خور پولیس کا سپاہی شاذ ہی نظر آیا کرتا تھا۔ پھر برصغیر یعنی ہندوستان' پاکستان اور بنگلہ دیش سے اس فن کے گورو یہاں پہنچے۔ انہوں نے یہاں کے لوگوں کو رشوت لینے کے فن کی تعلیم دی۔ یہ سب ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتا رہا مگر ہم اسے روک نہ سکے۔ اور یہ برائی دوسری برائیوں کی طرح پھیلتی ہی چلی گئی۔ جسے نہ کوئی مرہم روک سکتی ہے اور نہ کوئی اور دوائی۔ سر کے بال جب گرنا شروع ہو جائیں تو گرتے ہی چلے جاتے ہیں اور یہی حال بدیوں کے پھلنے اور پھولنے کا ہے۔

میں نے سوچا کہ میں کینیڈا سے کیا کہوں۔ میرا پیغام تو یہی تھا کہ "خدا کے قریب ہو جاؤ"۔ مگر یہ ہو کیسے۔ یہ سادہ سا پیغام تو ہر کوئی دے سکتا ہے مگر ہم کس طرح قریب ہو جائیں۔ اور اس کا قرب کیسے پائیں۔ اور ملکوں سے نہیں مگر بدیوں سے دوری کا کیا مطلب ہے۔ جب میں نے اس مسئلہ پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ بدی کا اپنا کوئی وجود نہیں۔ یہ صرف خدا سے دوری کا نام ہے۔ جس سے انسان کی روح پر تاریکیوں کی ٹکڑیاں پڑنی شروع ہو جاتی ہیں یہ اس خلاء کا نام ہے جس سے بدیاں ظہور میں آتی ہیں۔ جب تک یہ خلاء پر نہ ہو گا کسی قوم کو کتنی بھی نصیحت کریں کہ "اے قوم تم اپنی اصلاح کرو" نیک نتائج پیدا نہیں ہو سکتے۔ لوگ نشوں میں' شراب خوری میں' چوری' ڈاکہ زنی میں یا زندگی کی سستی تفریحات میں کیوں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ صرف اس لئے کہ انہیں ان سے زندگی میں کچھ تھوڑا سرور ملتا ہے۔ آپ کا صرف اس قدر کہہ دینا کہ "بھئی ایسا نہ کرو" کافی نہیں۔ ایسی نصیحت کا کوئی مطلب نہیں' اور نہ ہی اس میں کوئی وزن ہے۔

اس غرض کے لئے ہمیں ان خلاؤں کو کسی بہتر چیز سے پر کرنا ہو گا۔ اسی سے قوم کی زندگی کی راہیں تبدیل کی جا سکیں گی۔ جو انہیں رفتہ رفتہ بدی کی دنیا کی طرف کھینچتی چلی جا رہی ہیں۔ یہ بات میں خصوصیت سے احمدی احباب کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ذمہ داری ان کے کندھوں پر ہے۔ آپ اس ملک میں مختلف مقاصد لیکر آئے ہیں۔ ممکن ہے کچھ تو اس لئے یہاں آئے کہ انہیں حقیقی طور پر اپنے ملک میں بنیادی انسانی حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ بعض ایسے بھی ہیں جو اس وجہ سے ہجرت کر کے آئے اور اس جلوس میں شامل ہوئے جنہیں بہتر ملازمت کی تلاش تھی یا وہ اپنے معاشی حالات بہتر بنانے کے لئے آئے۔ یا پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے انہوں نے یہاں ہجرت کی۔

میں نے "ممکن ہے" کے الفاظ اس وجہ سے استعمال کئے کہ میں بھی انسان ہوں۔ مجھے دلوں کا حال معلوم نہیں۔ ظاہری طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں زندگی اس قدر دشوار اور اجیرن کر دی گئی تھی کہ وہاں ان کے لئے

جینا دو بھر ہو گیا۔ بعض ان میں سے ایسے ضرور ہیں جن کے حالات ایسے ہی بنا دئے گئے۔ مگر بات وہیں آجاتی ہے کہ آپ کے ارادے خواہ نیک ہوں یا آپ خارجی مقاصد لیکر آئے ہوں آپ اس ملک کے زیر احسان ہیں۔ جس نے آپ کو پر امن پناہ مہیا کی۔ اس ملک نے نہ صرف ایک وطن سے دوسرا وطن دیا بلکہ ایسا ملک دیا کہ جس نے آپ کی عزت کی اور احترام دیا۔ آپ کے اخلاق فاضلہ کی قدر دانی کی اور ان کے رہنماؤں نے آپ کو گرم جوشی کے ساتھ خوش آمدید کہا۔ جو آپ کے کسی جہت سے بھی احسان مند نہ تھے۔ یہ وہ انسانی وصف ہے کہ جس کے حسن سے انسان مغلوب ہو جاتا ہے اور یہی امر ہے جس سے ہر احمدی کا یہ فرض بن جاتا ہے کہ اگر وہ اس کا بہتر اجر نہیں دے سکتا تو کم سے کم برابر کا اجر تو دے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ آپ خدا والے بن جائیں۔ مگر کیسے؟ میں نے کہا تھا کہ آپ بدی سے بھاگیں نہ کہ ملکوں سے۔ مگر یہ کیسے ہو۔ یہی امر ہے جس کی میں آج وضاحت کرنی چاہتا ہوں۔

میں کئی حالات اور تجربات سے گذرا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ قوت عطا فرمائی کہ جو تجربات مجھے ہوئے یا جن مراحل میں ایک مقام سے دوسرے مقام کی جانب میرا سفر ہوا۔ یہ مجھے یاد رہیں مجھے اپنی خطائیں یاد ہیں اور میں اپنے شکوک و شبہات کو بھی نہیں بھولا میری غلطیاں بھی مجھے یاد ہیں اور آج میں آپ کے سامنے ان کا ہی کچھ تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ اپنی ذات کے تعلق کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی زندگی کے تجربات کی وجہ سے۔

خدا والا بن جانے کا یہ مطلب نہیں کہ ایک خاص قسم کا جبہ پہن لیں۔ یا کوئی دستار یا عمامہ باندھ لیں۔ جیسا کہ میں نے باندھا ہوا ہے۔ یا کوئی مخصوص لباس پہن کر اور تقدس کے مصنوعی ہالہ کے نیچے آکر عوام الناس سے دور تر ہو جائیں۔ یہ خدا والوں کے نشان نہیں۔ **للّٰہیت** تو گلیوں' بازاروں میں نظر آتی ہے روزمرہ کی زندگی میں دکھائی دیتی ہے۔ گھروں میں' بیویوں بچوں' دوستوں کے ساتھ روزمرہ سلوک میں نظر آتی ہے۔ مگر اس عمومیت کو تو عام انسانی زندگی بھی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن بسا اوقات یہی عمومیت خدا والوں کا نشان بن جاتی ہے۔ اور میں **للّٰہیت** انہیں معنوں میں لے رہا ہوں۔

آپ اپنے باہمی انسانی تعلقات کے معیار کو دو طریق سے بلند کر سکتے ہیں اول یہ کہ آپ کسی مہذب ملک میں پلے بڑھے۔ جو نفاست پر زور دیتا ہو۔ یا پھر آپ نے مدرسوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ مگر اس کے علاوہ کردار کو بلند کرنے کا ایک اور ذریعہ بھی ہے۔ یہ خدا کے ساتھ تعلق کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی دوسرے تعلق کی میں آج وضاحت کروں گا۔

یہ بات صحیح ہے کہ دنیا میں ہر جگہ اخلاق اور تمیز زندگی کا معیار اعلیٰ بنانے کے لئے بہت ضروری ہیں۔ یہ چمک دار تو ہیں۔ مگر مصنوعی اور باریک بھی ہیں کڑی آزمائشوں میں یہ انسان کو دغا دے جاتے ہیں وہ اخلاق عمل جس کی

جڑیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی تقدیس میں نہ ہوں وہ ان امتحانات میں پورا نہیں اتر سکے گا۔

آیئے میں آپ کو جنگ عظیم روم کے زمانہ میں لئے چلتا ہوں۔ آپ میں سے بہتوں کو یاد ہوگا کہ اس جنگ کے دوران کیا کچھ ہوا۔ نہ صرف یہ کہ جرمنی میں کیا ہوا۔ بلکہ پورے یورپ میں کیا کچھ ہوتا رہا۔ میں آپ کو مشرق بعید میں بھی لے چلتا ہوں۔ ان دنوں جاپان اور اس کے ہمسایہ ملکوں پر کیا گذر رہی تھی۔ جنگ چھڑنے سے قبل جرمن قوم اور جاپانی لوگ دنیا کی مہذب ترین اقوام میں شمار ہوتے تھے۔ جاپانی کلچر ان کی لطافت۔ ان کا دوسروں کے سامنے اظہار ادب اور مہمانوں کا احترام دنیا میں ضرب المثل تھا۔ مگر جنگ چھڑتے ہی وہی جاپانی تھے اور وہی جرمن جو دنیا کے سامنے ایک اور ہی روپ میں نظر آئے۔ ظلم کا یہ دور انسانی بربریت کی تاریخ میں ناقابل فراموش ہے اور رہے گا۔ نازی جرمنی میں یہودیوں پر کیا کچھ نہ گذر گیا۔ انڈونیشین اور دیگر مشرقی اقوام پر جاپانیوں کے ہاتھوں کیسے کیسے ظلم ڈھائے گئے۔ جب بھی آپ تاریخ کے اس دور پر نظر ڈالتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ محض اختلاف رائے کے اظہار پر دیوانگی کا اسقدر ہیبت ناک دورہ تھا کہ ان واقعات پر یقین ہی نہیں آتا اور یہ وہم و گمان ہی نہیں تھا کہ جاپانی قوم اس قدر پستی کی گہرائیوں میں چلی جائے گی کہ بربریت خود ان کے سامنے شرمندہ ہوگی۔

مگر جنگ کے ختم ہوتے ہی ایک بار پھر وہی قومیں تیزی سے مہذب اور باوقار ہونا شروع ہوگئیں۔ اگر تو یہ للھیت ہے تو پھر میرے ذہن میں اس کا یہ تصور نہیں۔ للھیت کو قیام ہوتا ہے۔ دوام ہوتا ہے۔ یہ زمانہ کی آزمائشوں اور امتحانوں میں پورا اترتی ہے۔

اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ جو قرب الٰہی کے نتیجہ میں ظاہر ہوتے ہیں دوام انہیں کو ہوا کرتا ہے۔ اگر یہاں تبلیغ کے لفظ کا استعمال صحیح ہے تو پھر میں آپ کو اسی کی تبلیغ کر رہا ہوں۔ میرے اندر اسی کا جوش ہے اور یہ بات میرے اندر سے آرہی ہے۔ دل کی گہرائیوں سے پھوٹ رہی ہے جو میں آج آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بات میں ساری دنیا کو بتانا چاہتا ہوں کہ جب تک لوگ اللہ تعالیٰ سے اخلاق فاضلہ کی توفیق نہیں حاصل کریں گے یا قرب الٰہی پیدا نہیں کریں گے۔ وہ دنیا کو اس تباہی اور بربادی سے نہیں بچا سکیں گے۔ جس کے دہانہ پر وہ آج پہنچ چکی ہے۔ یہ بات مجھے کیوں کہنا پڑی۔ میں اس کی تفاصیل میں نہیں جانا چاہتا مگر پھر بھی تھوڑا تھوڑا کرکے یہ وضاحت کروں گا کہ قرب الٰہی کے حصول کے لئے میری تجاویز کیا ہیں۔

اگر آپ کو اللہ تعالیٰ سے حقیقی عشق و محبت ہو تو آپ کی خواہش ہوگی کہ اس کے بارہ میں مزید علم بھی حاصل کیا جائے۔ اور جوں جوں اس کے متعلق آپ کا علم بڑھے گا۔ اسی تناسب سے آپ کی محبت میں اضافہ ہوگا اور آپ اپنے اخلاق و اطوار میں اسکی جھلک پیدا کرنے کی کوشش بھی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ غفور ہے اگر آپ کو اس سے محبت ہے تو پھر آپ کو اپنے اندر عفو اور درگذر کی صفت پیدا کرنا ہوگی۔ یہ اس لئے نہیں کہ آپ اس کی تعلیم

حاصل کرتے ہیں۔ بلکہ عفو میں اپنا ایک حسن ہے۔ اور جب اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملا کر دیکھیں گے تو اس میں ایک عظمت پیدا ہوگی۔ جو انسانی اعمال اور تجربات میں مفقود ہے صفت عفو میں جب عظمت پیدا ہو جائے جو دوسخا مل جائے تو وہ ٹھوس اور گہری ہو جاتی ہے۔ تو اسے ہی الٰہی عفو کہا جاتا ہے عفو جس میں ذاتی اور خارجی منافع مدنظر نہ ہوں اور جو بے لوث کی جائے وہ انہیں لوگوں میں پائی جاتی ہے جو اللہ والے ہوں۔

یہاں کے معاشرہ میں چند خصوصیات ہیں۔ جو بقاء کے لئے ضروری ہیں میں ان کی وضاحت اللہ تعالیٰ کی نسبت کے ساتھ یا قرب الٰہی کے تعلق میں کرنا چاہتا ہوں۔ ہم سب یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ واحد و یگانہ ہے۔ مگر بعض لوگ اس کی تاویل کچھ مختلف کرتے ہیں۔ مگر دل کی گہرائیوں میں ایمان یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے اور اسے وحدانیت ہی سزاوار ہے۔ قدرت کی ہر چیز میں یہی پیغام ہے۔ اس میں کہیں بھی دوئی نہیں۔ قدرت کے سب مظاہر میں ایک ہی ہاتھ کام کرتا نظر آتا ہے۔ پس اگر خدا ایک ہے اور واحد ہے تو ہمیں بھی وحدت اختیار کرنی چاہیے۔ ہم سب اس کی مخلوق ہیں۔ اور اگر ہم سب کو اس کی وحدانیت پر پختہ ایمان ہے تو پھر یہ ناممکن ہے کہ ہم افتراق اور انتشار کی راہوں کو اختیار کریں۔ وحدانیت میں اختلاف ایک دیگر مسئلہ ہے۔ اس وقت میں اس پر بحث نہیں کر رہا۔ میں تو اس وقت معاشرہ کی بات کر رہا ہوں جو تنگ نظری کی بنا پر پھٹتا چلا جا رہا ہے۔ کہ ایک ملک مزید ایک ملک کے طور پر رہنا ہی نہیں چاہتا۔ ایک ہی وطن کے باشندوں نے اپنی مختلف منزلیں اختیار کر لیں اور یوں باہمی مشاغل کا تصادم شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ کہیں سے ایک آواز اٹھی کہ اب ہم دگر ایک ہی وطن میں بحیثیت ایک قوم کے اس ملک میں مل کر نہیں رہ سکتے اب ہم اپنی راہیں بدل کر نئی پناہ گاہ تلاش کریں گے خواہ وہ پہلے سے کوتاہ ہی کیوں نہ ہو۔

یہ تصور تخریب کی راہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سے لاعلمی کی بنا پر ہوتا ہے۔ وحدانیت ہمیں بہت کچھ سکھاتی ہے۔ اور کئی بیماریوں سے محفوظ کرتی ہے۔ میں نے اپنا سفر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف کیا ہے۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس سفر کے دوران جس کی حد کوئی نہیں۔ میں جوں جوں اللہ تعالیٰ کی طرف قرب میں بڑھتا گیا انسان کے قریب تر ہوتا چلا گیا۔ میرے اپنے مختصر سے ماحول میں بھی کچھ تنگ نظریات ہوا کرتے تھے۔ میں ابھی بچہ تھا تو میں مسلم مفادات کو ہندو مفادات کے خلاف سمجھتا تھا۔ ہندوستانی مفادات کے برعکس میرے مفاد پاکستانی مفاد ہوا کرتے تھے۔ جب میں کچھ بڑا ہوا تو میرے دل میں مغربی مفادات کے مقابلہ میں ایشیائی مفادات کا خیال پیدا ہوا............"

نظریہ وحدت کی تشریح فرماتے ہوئے اتحاد و اتفاق کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"آپ کو علم ہونا چاہیئے کہ آپ کو بہت بڑے نقصان کا سامنا ہے جس

سے حفاظت از حد ضروری ہے پس کینیڈین قوم سے اور خصوصاً کینیڈین احمدیوں سے میری یہ اپیل ہے کہ وہ اتحاد اور اتفاق کی نہ صرف تبلیغ و تلقین شروع کریں بلکہ اس پر عمل پیرا ہو جائیں اور ہر وہ ذریعہ استعمال کریں جس سے کینیڈا اپنے خیالات میں' آراء میں اپنی جہت میں اور اپنے ارادوں میں ایک ناقابل تقسیم قوم کی حیثیت سے زندہ رہے۔ مگر یہ صرف اسی صورت میں ہو سکے گا اگر خدا تعالیٰ کی یہی مرضی ہوئی اور یہ نظریہ وحدت سے پیدا ہو سکے گا۔ اگر ایسا ہوا تو لوگ آپ کے خلاف کچھ بھی کریں آپ کو اپنی منزل سے ایک قدم بھی ادھر ادھر نہیں کر سکیں گے۔ نبوت کا قیام اسی طرح ہوتا ہے۔ انبیاء اپنا پیغام اسی طرح پہنچاتے چلے جاتے ہیں۔ انہیں اس بات کی پرواہ ہی نہیں ہوتی کہ قوم ان کے ساتھ۔ ان کے پیغام اور ان کے متبعین کے ساتھ کیا سلوک کرے گی۔ وہ اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی قوم کی بھلائی کے مستقبل کی راہوں کی تعیین میں مصروف عمل رہتے ہیں یہ مفہوم ہے ان کرداروں کا جن کی جڑیں یقین میں پیوست ہوتی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے یقین محکم میں۔

دوسرا امر جس کی میں وضاحت کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ اپنے معاشرہ سے کیا وصول کریں۔ اور اسے کیا پیش کریں یہ بات تو واضح ہے کہ یہ دہرا راستہ ہے۔ یہاں لیا بھی جاتا ہے اور دینا بھی پڑتا ہے۔ وہ معاشرہ جس میں آپ نے جنم لیا اور جہاں آپ رہتے بستے ہیں وہاں آپ کی کچھ ذمہ داریاں ہیں جو آپ کو ادا کرنی ہیں اور معاشرہ کے ذمہ آپ کے کچھ حقوق ہیں جو اس نے اپ کو دینے ہیں لیکن یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔ کہ جب آپ میں **للّٰہیت** آجائے تو آپ یہ محسوس کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ آپ کا رویہ اور سلوک بدل گیا ہے۔ آپ کی طلب کم ہو جاتی ہے۔ اور خدمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور اس راہ سلوک میں آپ کو یہ احساس ہو جاتا ہے کہ آپ کی یہی خواہش ہے کہ آپ کو لینا تھوڑا اور دینا زیادہ۔ **للّٰہیت** اسی کا نام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا قرض دار نہیں وہ **بخشنہار** ہے۔ اس کی صفت دینا ہی دینا ہے۔ نہ کہ لینا۔ یہی وہ عظیم رویہ ہے جسے **للّٰہیت** کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے اگر آپ کا طرز عمل بجائے "لینے" کے "دینا" ہو جائے تو جہاں کہیں بھی آپ ہونگے معیار زندگی بہتر ہی ہوتا چلا جائے گا۔

اس کے برعکس اگر آپ خدا سے دور ہوتے چلے جائیں یا بالفاظ دیگر اپنے رویہ میں دنیا دار ہو جائیں تو بجائے دینے کے اپ طلب کے زیادہ شوقین ہوں گے اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ **یونینز** اور اسی قسم کے دباؤ ڈالنے والے اداروں نے جنم لیا ہے جو صرف اپنے حقوق کا ذکر کرتے ہیں اور ان حقوق کا ذکر ہی نہیں کرتے جو انہوں نے دوسروں کو ادا کرنے ہیں۔ یہ بعد المشرقین اسی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرب آپ میں دینے کے جذبات پیدا کرے گا اور اس سے دوری مطالبات کا جذبہ پیدا کرے گی۔

یہی وجہ ہے کہ جب انبیاء تشریف لاتے ہیں تو وہ لوگ جو ان کے مخاطب ہوتے ہیں اور جن کی فلاح و بہبود کے

لئے آتے ہیں وہ ان کی آمد کا مقصد ہی نہیں سمجھتے۔ یہ بات ان کے ذہن میں ہی نہیں آتی کہ دیتے ہی چلے جاؤ اور لینے کا خیال ہی نہ کرو۔ اس زمانہ کا تصور کریں جبکہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام ایک ایسے معاشرہ میں مبعوث ہوئے جو ظالم رومن حکومت کی چکی تلے پس رہا تھا اور یہود کے باشندگان سے ہر چیز بھی وصول کرتا تھا۔ پھر ان کے لئے یہ ایک نجات دہندہ آیا جو اپنے ساتھ ایک نئے رہن سہن کا طریق لے کر آیا جو ناقابل یقین حد تک مختلف تھا۔ اس نے بعینہ وہی کہا جو آج میں آپ کو کہہ رہا ہوں کہ دینے کے انداز اختیار کرو نہ کہ مطالبات پیش کرنے والے بنو۔ اگر کوئی تمہاری ایک گال پر تمانچہ مارتا ہے تو دوسری بھی اس کے آگے کردو۔ اسے دینے کا انداز کہا جاتا ہے۔

کوتاہ بین ان حکمتوں کے سمجھنے سے عاری ہوتے ہیں ان کے لئے یہ ناقابل یقین ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ بھی کوئی تعلیم ہے؟ اہل یہود نے اسی وجہ سے اس تعلیم کو رد کر دیا اور یوں اپنی نجات کو ٹھکرا دیا اور اپنی زندگیوں کے ایک ایسے دور سے منہ پھیر لیا جہاں نہ صرف انہیں شیطان سے نجات ملتی بلکہ ظالم رومن حکومت کی چیرہ دستیوں سے بھی آزاد ہو جاتے۔ مگر اس کے لئے صبر اور تحمل درکار تھا اس کے لئے بردباری چاہیئے تھی اس کے لئے اس پیغام پر ایمان کی ضرورت تھی جو ان کا نجات دہندہ ان کے لئے لایا تھا۔

بعض اوقات پیغامات کے نتائج فوری نہیں برآمد ہوا کرتے۔ مہ و سال یا ایک فرد کی زندگی بھی اس کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ بلکہ قوم کی زندگی میں ایک صدی بھی اس کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ حضرت مسیح کے متبعین کو صبر، تحمل اور بردباری کی تین صدیاں گذارنی پڑیں تب جاکر انہیں ہر شعبہ زندگی میں فتوحات نصیب ہوئیں اور سلطنت روما ان کے قدموں میں پڑی تھی اور رضاء الٰہی کا تاج زیب سر تھا عظیم اصولوں کی راہ میں تین صدیوں تک ظلم و ستم برداشت کرنے اور قربانیاں پیش کرنے کے بعد جاکر کہیں انہیں سرفرازی ملی۔

پس اسی طرح میں احمدیوں کے لئے بھی کسی فوری انعام کا وعدہ نہیں کرتا انہیں اپنی زندگیوں میں یا اپنی آنے والی نسل کی زندگی میں نہ کسی انعام کی تلاش چاہیئے اور نہ ہی اس کی امید رکھنی چاہیئے۔ ممکن ہے انہیں ایسے معاشرہ سے پالا پڑے جو انجام کار شدت سے ان کی مخالفت پر اتر آئے۔ میں نے جو بات آپ سے کہی ہے ممکن ہے حیران کن تو ہو مگر اس کے ظہور پذیر ہونے کا امکان ضرور ہے۔

پس آپ خدا کی خاطر دینے والے بن جائیں اس کی وجہ سے آپ معاشرہ سے وصول کرنے کے جذبہ سے آزاد ہو جائیں گے۔ اگر آپ انعامات کی بات کرتے ہیں تو وہ خدا کی طرف سے ہی آیا کرتے ہیں جیسا کہ میں نے عرض کیا بعض اوقات وہ دھیرے دھیرے ملا کرتے ہیں اس وقت سے بہت دیر میں جس میں آپ کی طمع انہیں طلب کر رہی ہو۔ یہ تاخیر اس لئے نہیں ہوا کرتی کہ اللہ تعالیٰ جزاء دینے میں سست ہے نہ ہی اس لئے کہ وہ اپنے نیک بندوں کو جو اس کی خاطر اعمال صالحہ بجا لاتے ہیں جلد جزاء ؍ نہیں سکتا بلکہ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ وہ آپ کا تزکیہ کرے اور

وہ نہیں چاہتا کہ آپ کی قربانیاں جزاء کی خواہش کے ساتھ منتھی ہوں۔ اگر ایسا ہو تو انسان کے اندر جذبہ خیر کا بالکل خاتمہ ہو جائے۔ رفتار جزاء اس لئے مدھم ہوا کرتی ہے کہ آپ رضا الٰہی کے لئے بے غرضانہ کام کریں۔ لیکن اس کے باوجود ایک ایسی جزاء بھی ہے جو مسلسل جاری رہتی ہے اور اگر آپ کو اس کے پرکھنے کا شعور ہے تو میں آپ کو بتاؤں کہ نیکی از خود اپنی جزاء ہے۔

اگر آپ جانتے ہیں کہ نیکی کیا ہے تو جو میں کہنے لگا ہوں آپ اسے سمجھ جائیں گے۔ میری مراد دکھی انسانیت کی خدمت سے ہے۔ زندگی کا معیار بہتر بنانے سے ہے اور باوجود اس کے کہ وہ لوگ جن کی خدمت میں آپ مصروف ہیں وہ آپ کی مخالفت پر تل جاتے ہیں وہ آپ کا ٹھٹھا اڑاتے ہیں اور مخول کرتے ہیں۔ اور آپ کی خدمات کا بدترین صلہ دیتے ہیں اور یہ ہے وہ انعام۔ اس لئے کہ آپ اس وقت ایک عظمت محسوس کرتے ہیں جو دوسروں کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی اس وقت آپ اللہ تعالیٰ کو اپنے پاس کھڑا دیکھتے ہیں اور آپ کی نگاہ اپنے مولا پر ہوتی ہے جس کی رضا کی راہوں کو آپ تلاش کر رہے ہوتے ہیں اس وقت یہ بات آپ کے علم میں ہوتی ہے کہ جب آپ ایسا کام کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو محبت کی نگاہ سے دیکھ رہا ہوتا ہے وہ شعور اور احساس کہ آپ نے یہ کام کرکے کسی ایسی ہستی کی رضا حاصل کی ہے جس سے آپ کو محبت ہے بذات خود حسین جزاء ہے۔ مگر اس کے لئے عشق الٰہی درکار ہے اور اس نیکی کی ضرورت ہے جس کی جڑیں عشق الٰہی میں پیوست ہوں وگرنہ نہیں۔

میں یہ بات اپنے ذاتی تجربہ سے کہہ رہا ہوں مگر اس تجربہ پر میری کوئی اجارہ داری نہیں بلکہ اس میں میرے ساتھ لاکھوں احمدی حصہ دار ہیں جنہوں نے بے لوث خدمت خلق کی تربیت حاصل کی ہے وہ ایک صدی سے یہ سب کچھ کس طرح برداشت کرتے چلے آرہے ہیں وہ کیا چیز ہے جس کی خاطر وہ بے تکان قربانی کی شاہراہ پر گامزن ہیں۔ یہ وہی جذبہ ہے جس کا میں نے آپ کے سامنے ذکر کیا کہ ہم یہ سب کچھ علیم و بصیر خدا کے لئے کر رہے ہیں اور جسے خوب علم ہے کہ کون اس کے لئے کیا کر رہا ہے۔ پس ان لمحات میں وہ انسانیت آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے جن کے لئے یہ قربانیاں کی جارہی ہیں جہاں تک رد عمل کا تعلق ہے اس وقت بھی وہ انسانیت اپنے سامنے نہیں ہوتی مگر پھر بھی آپ مصروف عمل رہتے ہیں اور یہ بھرپور جذبہ عشق الٰہی سے پھوٹتا ہے اور علم حقیقی سے حاصل ہوا کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں اس کی مثال اس ماں کی محبت جیسی ہے۔ جس کا بچہ دماغی لحاظ سے بالکل معذور ہے اور وہ محض گوشت کا لوتھڑا ہے۔ میں نے وہ مائیں دیکھی ہیں جنہوں نے سالہا سال ایسے بچوں کی پرورش کی۔ میرے ذہن میں اس وقت ایک ایسی ماں ہے جس کی بچی ایک حادثہ کا شکار ہو کر معذور ہو گئی اس دن سے وہ محض سانس لے رہی ہے اسے کسی بات کا ہوش نہیں اسے کچھ محسوس نہیں ہوتا وہ سن اور بول بھی نہیں سکتی مگر ماں اس کی خدمت

میں لگاتار اور بے تکان مصروف ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اسے اپنی بیٹی سے محبت ہے۔ محبت جزا اور بدلہ نہیں مانگا کرتی۔ بعض اوقات تو وہ یہ بھی نہیں چاہتی کہ اس کا کسی کو علم بھی ہو۔

آپ کو اپنی نیکی کا علم ہے اور یہی بات سب سے اہم ہے اس کا تعلق آپ کے شعور سے ہے اور یہ اعلیٰ مقاصد سے متعلق ہے میری خواہش ہے کہ آپ اس جذبہ سے اس ملک کی خدمت کریں۔ آپ کو اس قسم کی آوازیں بھی سننے کو ملیں گی کہ یہاں ایسی قومیں ہیں جنہیں ان کے حق سے زیادہ مل رہا ہے۔ پھر آپ کو ایسی آوازیں بھی سننے کو ملیں گی کہ یہاں بعض ایسی قومیں ہیں جن کو ان کے حق سے بہت تھوڑا مل رہا ہے۔ آپ ان کے ساتھ سر نہ ملائیں۔ آپ کو محض اس بات کا علم ہونا چاہیئے کہ معاشرہ کی خدمت میں آپ کا کس قدر حصہ ہے مگر اس کا اجر آپ کی نیکی ہے اور یہ کہ آپ کو رضاء الٰہی کے حصول کے لئے خدمت خلق کا موقع ملا۔

مجھے آپ سے ایک اور نہایت اہم موضوع پر گفتگو کرنا ہے۔ میری مراد ارزاں اور بیکار قسم کی تفریحات کے لئے سرگردانی سے ہے یہ وہ مرض ہے جس سے دنیا کی تہذیب برباد ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اس کے ذریعہ انسان مادیت کی طرف سرپٹ دوڑا چلا جا رہا ہے۔ ان معنوں میں کہ انسان چاہتا ہے کہ تھوڑی سی کوشش سے زیادہ سے زیادہ سرور اور لطف حاصل کرے جس کا مطلب عیاشی کے حصول کے لئے مختصر ترین راہوں کی جستجو اور تلاش ہے آج کے انسان کی یہ تیزی سے بڑھتی ہوئی ہوس ہے۔

اس کا اظہار ہر مقام پر یکساں ہے۔ یہ محض امریکہ اور کینیڈا یا انگلستان اور جرمنی میں ہی نہیں۔ یہ سب افریقہ اور پاکستان، ہندوستان ہر جگہ ہو رہا ہے جس جگہ بھی آپ جائیں انسان اس کی تلاش میں سرگرداں ہے اور یہ رجحان خودکشی ہے جو تیزی سے امن کو کھوکھلا کرتا چلا جا رہا ہے۔

آپ اگر دنیا میں امن قائم کرنا چاہتے ہیں تو یہ کیسے قائم ہو جبکہ دل ہی امن اور چین سے خالی ہوں گھر اور کنبہ میں سکون نہ ہو ہمسائے امن میں نہ ہوں اور جس معاشرہ میں آپ رہ رہے ہیں وہاں ہی امن نہ ہو۔ آپ کو زندگی میں ایک سرور کی تلاش ہے اور آپ کو لذتیں چاہئیں۔ بعض اوقات یہ ایسی قدریں ہیں جن کا سودا کر لیا جاتا ہے۔ یہ بک جاتی ہیں۔ لوگوں کو یہ بھی علم نہیں ہوتا کہ وہ کس چیز کا سودا کر رہے ہیں۔ آج کی نسل بجائے سکون قلب کی تلاش کے عیش و طرب کی جستجو میں لگی ہوئی ہے اور انہی قدروں کا سودا کیا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ مگر ترقی پذیر سودا۔

گذشتہ نسل میں یہ خواہش تھی اور وہ امن اور سکون قلب کی جستجو کیا کرتے تھے۔ گھر اور خاندان کا مطلب باہر کے مضر اثرات سے پناہ سمجھا جاتا تھا۔ باہر کے معاشرہ کے بالمقابل گھر میں نسبتاً زیادہ سکون ہوا کرتا تھا۔ لوگوں کو چونکہ سکون کی تلاش تھی اس لئے وہ گھر میں زیادہ وقت گذارتے تھے یعنی اپنے والدین کے ساتھ۔ بچوں کے ساتھ۔ بہنوں بھائیوں کے ساتھ۔ بیویوں کے ساتھ۔ گھر سکون قلب اور ذہنی سکون کا ضامن ہوا کرتا تھا۔

آج جس چیز کا فقدان ہے۔ اب اکثریت گھروں کو اس وقت لوٹتی ہے جبکہ باہر کی دلچسپیوں میں جی بھر جاتا ہے اور جب انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اب باہر کا معاشرہ انہیں عیش اور طرب مہیا نہیں کر رہا اس وقت وہ گھر میں بے سدھ سونے کے لئے آجاتے ہیں۔ اور جاگنے کے بعد دوبارہ باہر چلے جاتے ہیں اور گھر کے لوگوں کا کوئی خیال نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی لحاظ۔

اس بات سے میری یہ مراد نہیں کہ ہر سوسائٹی اس سے متاثر ہے بعض سوسائٹیاں ایسی ہیں جیسے اٹالین سوسائٹی جسے اپنے خاندان سے لگاؤ ہے اور جو آج کے انسان کے رجحان سے کم متاثر ہوئی ہے مگر وہ بھی رفتہ رفتہ اس سے اثر پذیر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ کڑوے پانیوں کے سمندر میں آپ اس کے کسی جزیرہ میں نمکین پانی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

پس یہ وقت ہے کہ ہم ان خطرات کا احساس کریں اور یہی وقت ہے کہ اب وقت کے دھارے کو پلٹ دیں۔ میں آپ احمدیوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ بحیثیت ایک احمدی کے اسی معاشرہ میں اپنے اقوال سے اعمال سے اور کردار سے سبق حاصل کرے نہ کہ آپ کے محض پندو نصائح کے وعظ سے اگر آپ چاہتے ہیں کہ دوسرے اس معاملہ میں دلچسپی لیں جس میں آپ چاہتے ہیں تو یہی ایک طریق ہے کہ گھر کا بہترین نمونہ پیش کریں تاکہ لوگ جو امن کے متلاشی ہیں خواہ وہ اس کے لئے کوشش نہ بھی کر رہے ہوں وہ آپ ہی کی طرف امن کے لئے، رہنمائی کے لئے اور زندگی کے خدشات اور خطرات سے تحفظ کے لئے آئیں گے اور آپ ہی سے رجوع کریں گے۔

یہ خطرات جن کا میں نے محض "خطرات" کہہ کر ذکر کیا ہے بے شمار ہیں جیسے کہ نشہ بازی۔ شراب خوری۔ راہزنی۔ سمگلنگ اور زندگی کی تیز رفتاری ہے جہاں آپ تھوڑے سے وقت میں اور کم سے کم خرچ سے زیادہ سے زیادہ عیش و طرب حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو ان عیاشیوں کی خاطر سرگرداں ہوتے ہیں دن کے آخر پر تہی دامن اور خالی ہاتھ واپس لوٹتے ہیں اگر آپ ایسے لوگوں کے دلوں کو ٹٹولیں اور بعض اوقات میں نے ایسا کیا ہے تو یہی پتہ چلا کہ دن کے آخر پر تہی دست ہوتے ہیں۔ وہ تہی دامن ہوتے ہیں اور محض احساس باقی رہ جاتا ہے کہ جس چیز کی تلاش تھی وہ مل نہ سکی۔ اگلا دن چڑھتا ہے تو وہ انہی رنگ رلیوں کی تلاش میں پھر سرگرداں ہو جاتے ہیں جن کے پیچھے کل بھاگے تھے اور پرسوں بھی۔

یہ وہ مقام ہے جہاں للهمت سلامتی مہیا کرتی ہے مجھے احساس ہے کہ وقت بہت زیادہ ہو گیا ہے اور میں آپ کا زیادہ وقت لینا نہیں چاہتا مگر موضوع چونکہ بہت اہم ہے اس لئے اس کے متعلق آپ سے مخاطب ہونا پسند کروں گا۔

یہ للهمت انسان کے اندر کا خلا کیسے پر کر سکتی ہے اور کس طرح سکون قلب مہیا کرے گی جس کا کال ہے

اور جو تیزی سے ناپید ہوتی چلی جا رہی ہے اس سلسلہ میں میرا پیغام یہی ہے کہ انسان کسی خاص مقصد کے لئے زندہ رہتا ہے۔ وہ خلا میں زندہ نہیں رہ سکتا اس لئے آپ بھی اقدار کو بدل دیں اور جن چیزوں پر زور دیا جاتا ہے انہیں تبدیل کریں وگرنہ آپ اس معاشرہ کو تبدیل نہ کر سکیں گے جس کی قدریں کمتر ہیں اور اعلیٰ اقدار ہی ادنیٰ اقدار کو بدل سکیں گی۔ اگر آپ کے پاس وہ جنس ہی نہیں تو آپ نہ معاشرہ کو بہتر بنا سکیں گے نہ تبدیل کر سکیں گے۔ آپ کو اطمینان ہونا چاہیئے کہ آپ کو اپنی اعلیٰ اقدار کا تجربہ ہے جو نچلے درجہ کی حیوانی لذات کی جستجو سے بہتر ہیں۔ اللہ والے محض خلا میں نہیں رہا کرتے۔ وہ اس دنیا میں سب سے زیادہ شادمان لوگ ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو انتہائی پرسکون ہیں انہیں زندگی کا خوب شعور ہے لیکن انہیں دوسری قسم کی زندگی سے ہرگز کوئی دلچسپی نہیں۔

مجھے اس جگہ اپنے اظہار خیال میں مشکل پیش آرہی ہے اور مجھے اس کی تفصیل بیان کرنے میں دقت محسوس ہو رہی ہے مگر اپنے بیان کو واضح کرنے کے لئے سابقہ ایام کا اپنا ایک تجربہ پیش کرتا ہوں جبکہ میں ابھی بچہ ہی تھا کہ میں ایک دن بوچڑ خانہ کے قریب سے گذرا۔ (پاکستان میں مذبح خانے کچھ اس طرح کے صاف ستھرے نہیں ہوتے جیسے کہ یہاں کے ہیں) جہاں گوشت کے ٹکڑے، اوجھڑی انتڑیاں اور دیگر بیکار حصے دروازے کے پاس ہی پھینک دئے جاتے ہیں میں نے وہاں ایک انوکھا نظارہ دیکھا جس سے چونک گیا اور دل میں کہا "دیکھ یہ کیا ہو رہا ہے" بدبو سے دماغ پھٹا جا رہا تھا گوشت کی اس قدر بدبو پھیل رہی تھی کہ میں نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ وہاں سے جلد گاڑی بھگا کر لے جائے۔ یکایک میں نے ایک نظارہ دیکھا کہ جس نے میرے قدم روک لئے اور میں نے ڈرائیور کو رکنے کے لئے کہا تاکہ میں وہ نظارہ دیکھ سکوں اور جو کچھ وہاں گذر رہی تھی اس پر تفکر اور تدبر کر سکوں میں نے دیکھا کہ وہاں بوچڑ خانہ کے گوشت پر پل کر ہٹے کٹے بہت سے کتے تھے وہ سب اس گوشت پر پلے پڑ رہے تھے اور بے حد مزے لیکر اسے کھا رہے تھے میں اس نظارہ کو دیکھ کر انگشت بدنداں تھا مجھے ابکائیاں آرہی تھیں۔ میرا جی متلانے لگ گیا مگر کتوں کے نکتہ نگاہ سے تو یہ ان کے لئے جنت تھی۔ وہ تو اسے انتہائی مزے لیکر کھا رہے تھے جو ان کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا اور جس طریق سے وہ اپنے کام میں مصروف تھے۔ کس قدر انہیں تسکین اور سرور محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ دنیا کی کوئی چیز انہیں اس سے بہتر جنت نہیں پیش کر سکتی تھی جو اس وقت انہیں میسر تھی۔

اس وقت مجھے یہ احساس ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے یا للھیت کے تعلق سے میں بھی تو ایک کتا ہو سکتا تھا اگر مجھے گناہ اچھا لگتا ہے اور مجھے محبوب ہے اور اگر میں بھی عیش و طرب کے پیچھے بھاگتا ہوں جو انسان کے لئے تباہ کن ہے تو پھر تو میں بھی کتا ہی ہوں ہمیں بھی تو یہ متعفن چیزیں مرغوب ہیں اور وہ کیڑے پسند ہیں جنہوں نے معاشرہ میں سڑاند پیدا کی ہے اور وقت کے ساتھ اسے آزردہ کیا ہے معاشرہ از خود اپنی ہی ہوس میں مبتلا ہو کر اس میں جکڑا جاتا ہے سو میں اس لمحہ غور و فکر میں غرق ہو گیا اور سوچا کہ جب ہم اس لچر عیش پرستی میں غلطاں ہوتے ہیں

اور اللہ تعالیٰ ہم پر نظر ڈالتا ہوگا تو ہم اسے کیسا نظر آتے ہوں گے۔

اس وقت مجھے احساس ہوا کہ انبیاء کیوں مختلف نظر آتے ہیں وہ کیوں اس معاشرہ کی گلیوں بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں جو اس قدر گندہ ہوتا ہے اور جس نے عیش و عشرت کے حصول کی اس قدر راہیں تلاش کر رکھی ہوتی ہیں۔ جب بھی اللہ تعالیٰ کا نبی مبعوث ہوتا ہے وہ ان چیزوں سے بے نیاز ہوتا ہے اسے ان سب سے نفرت ہوتی ہے انہیں زہر سمجھ کر نہ کہ رعونت اور تکبر سے۔ انہیں دیکھ کر اسے دکھ ہوتا ہے اور معاشرہ کی محرومی کا احساس ہوتا ہے اس وقت مجھے مختلف اقدار اور طرز عمل کی قدر و قیمت کا احساس ہوا۔ میں نے کہا کہ انبیاء ان سے محروم ہو کر کچھ بھی تو نہیں گنواتے۔ انہیں ان کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اس وقت مجھے انبیاء کی بے غرضی کا ادراک ہوا اور میں سمجھا کہ وہ اسی چیز سے بچتے ہیں جو انہیں اچھی ہی نہیں لگتی۔ گناہ یا دنیا کی لہو و لعب سے احتراز ان کے لئے دشوار نہیں ہوتا۔ ان کی پسند بہت ہی ارفع ہوتی ہے۔ وہ دنیا میں انسانوں کے ساتھ رہتے تو ہیں مگر ان کا طرز عمل بالا ہوتا ہے وہ ان کتوں کی مانند نہیں ہوتے اور ان کے بالمقابل انسانیت کے مقام پر ہوتے ہیں۔ اور جب وہ ان کتوں کو دیکھتے ہیں کہ مردار کھا رہے ہیں تو انہیں ان پر ترس آتا ہے اور وہ ان کو یہ بتاتے ہیں کہ کونسی نعمت ہے جس کی لذت انہیں میسر نہیں اور وہ کس چیز سے محروم ہیں۔

پس اس زندگی میں عجیب نسبتیں اور تناسب ہیں نہ کم نہ بیش۔ انتہائے حق کیا ہے یہ آپ کی قدروں کی۔ مزاج کی اور آپ کے طرز عمل کی رفعت ہے اس وقت آپ خلا میں نہیں ہوتے۔ ایک بالائی حلقہ میں اور بالائی فضا میں ہوتے ہیں اس وقت آپ ان چیزوں سے بدرجہا زیادہ لطف اندوز ہونگے جو سفلی دنیا میں رہنے والوں کو میسر نہیں۔

پس میں اپنی زندگی کے تجربات کا نچوڑ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ یہ سب کچھ میں ایک فلسفی کی طرح آپ کو یہ بتا رہا ہوں اور آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ انسان کو اپنا گردو پیش کس نظر سے دیکھنا چاہیئے پس معیار کو تبدیل کئے بغیر۔ زندگی کی طلب کو بلند کئے بغیر آپ انسانی زندگی کا معیار بلند نہیں کرسکتے اور نہ ہی گناہ کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔

گناہ کی یہ جنگ تلواروں سے یا زہر سے یا غیظ و غضب کے ساتھ نہیں لڑی جاسکتی۔ میرے ذہن میں اس قسم کی جنگ کا تصور ہی نہیں یہ خودکشی کے مترادف ہے۔ میرا مطلب اس جنگ سے ہے جو آپ کے اندر لڑی جاتی ہے۔ اور جو آپ کو رفعت عطا کرتی ہے جس سے آپ اس چیز کو ترس اور ترحم کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو آپ کو قبل ازیں مرغوب تھی۔

یہ وہ بلندیاں ہیں جن کا میں زکر کر رہا ہوں اور جب اس زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو کینیڈا کے احمدیوں کو بہت کچھ کرنا ہے۔ جب وہ ٹیلی ویژن پر خوش باش جوڑوں کو جو شراب و کباب اور رقص و سرود اور لہو ولعب کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اگر انہیں اس وقت احساس محرومی ہوتا ہے اور کمی محسوس ہوتی ہے تو پھر ضرور محرومی ہے۔ مگر یہ کمی

للّٰہیت کی کمی ہے۔ صحیح نقطہ نظریہ ہے کہ ان پر ترس کھائیں اس لئے کہ جو لطف وہ اٹھا رہے ہیں وہ پائیدار نہیں محض بہلاوہ ہے وہ خالی دلوں کے ساتھ گھروں کو لوٹیں گے جو سکون سے تہی ہوگا۔ پس اگر زندگی کی قدروں کو بہتر بنانا ہے تو للّٰہیت اختیار کریں آج کینیڈا کو اس کی ضرورت ہے۔

آخری بات جو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ للّٰہیت آپ کو وہ چیز مہیا کرتی ہے جو افراد اور قوموں کے باہمی تعلقات بہتر بنانے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ یہ تعلق باللہ آپ میں وہ احساس پیدا کرتا ہے جس سے الجھنیں اوز اضطراب دور ہو جاتے ہیں۔ میں اس موضوع پر مزید خطاب کرتا لیکن غیر ضروری طور پر آپ کا وقت نہیں لینا چاہتا۔ اس لئے مختصراً ہی عرض کروں گا۔

جہاں تک میں نے مطالعہ کیا ہے احساس کمتری نے انسان کے امن کو برباد کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ ابھی حال ہی کی تاریخ میں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ امریکہ نے دنیا کی عظیم طاقت کی حیثیت سے خلیج کے بحران میں کیا کردار ادا کیا۔ لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا احساس کمتری سے کیا واسطہ۔ مگر جب میں آپ کے سامنے اس کی وضاحت کروں گا تو آپ کو پتہ چلے گا کہ میرا کیا مطلب ہے۔ وہ کیا بات تھی جو امریکہ کو ایک چھوٹے سے نہتے دشمن کے خلاف عظیم فتح پر اکسار رہی تھی۔ یہ ویٹ نام کی شکست کا احساس کمتری تھا ان کی روح اور ضمیر پر یہ بہت بڑا بوجھ تھا۔ انہیں اس کا انتقام لینا ہے۔ انہیں یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ ایک عظیم ملک ہیں۔ پس اگر ایک بونے سے ملک نے انہیں شکست دی ہے تو کیوں نہ وہ ایک ننھے سے ملک کو شکست دے دیں جس کے پاس سازو سامان کی بھی کمی ہے جو ان کے بوجھ تلے دب بھی جائے گا آپ کو یاد ہوگا کہ صدر بش نے ایک بار کہا تھا کہ یہ دوسرا ویٹ نام نہیں ہوگا۔ اب یہاں ویٹ نام کا کیا تعلق ہے؟ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ امریکہ کے ضمیر پر یہ بہت بڑا بوجھ تھا۔ محض اس کا تصور اور ویٹ نام کے ڈراؤنے خواب ان کے دماغوں پر سوار تھے۔

پس بعض اوقات ایک الجھن قومی الجھن بن جایا کرتی ہے۔ اور پھر نسل در نسل چلتی ہے اور اگر آپ انسانی تاریخ کا اس زاویہ سے مطالعہ کریں گے تو آپ کے کئی سوال حل ہو جائیں گے جو بطریق دیگر حل نہیں ہو سکتے تھے۔

انہی الجھنوں کی وجہ سے کئی جنگوں کا آغاز ہوا اور افراد کے متعلق بھی یہ درست ہے کہ جو الجھنوں کا شکار ہوتے ہیں۔ کج فہم ہی رہتے ہیں ان میں سیدھی اور صحت مند شخصیت ابھرتی ہی نہیں۔ میں ملکوں ملکوں پھرتا ہوں۔ مجھے متعدد احمدی ملتے ہیں اور بعض پر مجھے ترس آتا ہے جن کے بارہ میں مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ الجھنوں کا شکار ہیں۔ میں کسی کا نام نہیں لے رہا اور نہ ہی کسی کو بدنام کرنا چاہتا ہوں مگر آپ کے سامنے یہ اس لئے بیان کرنا چاہتا ہوں کہ جو اس بیماری کا شکار ہیں وہ اس امر کا احساس کریں کہ انہیں کیا مرض لاحق ہے۔

پاکستان میں بعض غریب خاندان ہیں جن کے بچے اس احساس کے ساتھ پلے بڑھے کہ معاشرہ نے ان کا حق ادا

نہیں کیا وہ انتقام کا احساس لئے ہوئے جوان ہوئے انہوں نے دوسروں کا منہ چڑانا شروع کیا اور خوش حال لوگوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اس سے ان میں احساس کمتری پیدا ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ممالک بیرون کو نکل گئے یہاں پہنچ کر انہوں نے اپنے حالات کو درست کیا اور خوش حال اور مالدار ہو گئے پھر انہوں نے دوسروں پر اس رنگ میں اظہار شروع کیا کہ "میاں دیکھو! تم وہی ہو نا جنہوں نے ہم سے کبھی مشفقانہ سلوک نہ کیا اور اگر اب تمہیں ہم سے کبھی کام پڑا تو ہم سے کسی خیر کی امید نہ رکھنا اب ہم بھی آزاد اور خود مختار ہیں۔ ہمارا تمہارا کیا واسطہ۔ وہ زمانے لد گئے اور دفن ہو گئے اب ہمارا احمدیت سے کوئی ناطہ نہیں تم لوگوں کے عقائد اور خیالات سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ اب ہم اس سے خارج ہو گئے ہیں اور آزاد ہیں" اب یہ امر واضح ہے کہ یہ بالادستی کا اظہار ہے مگر احساس برتری تو کوئی احساس ہوتا ہی نہیں۔ ہمیشہ احساس برتری کا روپ بھر لیتا ہے اور یہ وہ طاقت ہے جو انسان کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔

مجھے جب افریقہ جانے کا اتفاق ہوا تو میں **افریقنوں** سے مل کر بڑا متاثر ہوا کہ باوجود بعض غریب ترین اقوام میں شمار ہونے کے ان میں کوئی احساس کمتری نہیں۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور اس کا فضل ہے کہ نادار ہونے کے باوجود ان میں احساس کمتری نہیں۔

امریکی افریقن ضرور اس الجھن کا شکار ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنا مستقبل برباد کر رہے ہیں اور جب بھی مجھے ان کے رہنماؤں سے ملنے کا اتفاق ہوا ان کے لئے میرا پیغام یہی تھا کہ ان الجھنوں سے نکلنے کی کوشش کریں۔ اس کے بغیر آپ وہ نہیں بن سکتے جس کی آپ کو آرزو ہے اور اس کے بغیر معاشرہ میں انہیں اعلیٰ مقام نہیں مل سکے گا اور اپنا باعزت مقام حاصل نہ کر سکیں گے۔

پس اسی طرح کینیڈا میں بھی احساس کمتری انتشار پیدا کر سکتا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ نظر سے اوجھل رہے مگر الجھنیں ضرور موجود رہیں گی۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ وہ علیحدگی پسند لوگ جو فرانسیسی زبان بولتے ہیں وہ احساس کمتری کا شکار ہیں میرا یہ مطلب نہیں۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ جب انسان کے کردار میں کجی آجاتی ہے اور وہ صحت مند نہیں رہتا تو اس کے پیچھے کوئی ایسی طاقت ہوتی ہے جو نہ تو صحیح ہوتی ہے اور نہ صحت مندانہ اور بسا اوقات ہم میں قومی یا انفرادی احساس کمتری ہوتا ہے جو ہمارے اندر انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر کام کر رہا ہوتا ہے۔

قرب الٰہی انسان کو ہر قسم کی الجھن سے پاک کر دیتا ہے اس سے انسان میں جذبہ خاکساری پیدا ہوتا ہے جو اس قدر حسین ہوتا ہے کہ اس سے انسانی زندگی کی کوالٹی بہتر سے بہتر ہوتی چلی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام جنہیں خدا تعالیٰ نے احسن الخلق قرار دیا ہے وہ مخلوق میں سب سے زیادہ عاجز ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی شناخت کے بعد اور قرب الٰہی کے ساتھ ہی یہ احساس بیدار ہوتا ہے کہ ہماری تو ہستی ہی کوئی نہیں۔ وہی وقت ہوتا ہے کہ جب انسان

میں عجز و انکسار پیدا ہوتا ہے۔ نیز تعلق باللہ سے کسی قسم کی الجھنیں نہیں پیدا ہوتیں بلکہ ادراک عجز پیدا ہوتا ہے اور پھر یہی آپ کا محافظ بنتا ہے اور رہنمائی کرتا چلا جاتا ہے یہی وہ خاکساری ہے جو ہر احمدی میں پیدا ہونی چاہیئے۔

اسی جذبہ عجز کے ساتھ ہر احمدی کو اس ملک کی خدمت کرنی چاہیئے جس کا وہ شہری ہے میں نے "چاہیئے" کا لفظ اس لئے استعمال نہیں کیا کہ خاکساری بناوٹ کے ساتھ بھی حاصل کی جاتی ہے یہ ممکن ہی نہیں۔ عجز اور تصنع خاکساری اور بناوٹ کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں۔ اس قسم کی عاجزی جو بعض اوقات آپ بڑے لوگوں میں دیکھتے ہیں وہ کھوکھلی ہوتی ہے۔ یہ نری لفاظی ہوتی ہے جس کا کوئی مطلب نہیں ہوا کرتا۔ نیز یہ بھی ایک الجھن ہوتی ہے اور یہ اسی کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس اظہار عجز سے وہ عظیم نظر آئیں گے۔ بڑا نظر آنے کا جذبہ انہیں ہمیشہ اکساتا ہے کہ وہ عجز و انکسار کا روپ بھریں لیکن میں جس خاکساری کی تلقین کر رہا ہوں اس کی جڑیں عشق الٰہی میں اور اس کے قرب میں ہوا کرتی ہیں۔ وہ لمحہ دانش ہوتا ہے جبکہ آپ کو اپنی نیستی کا ادراک ہو جائے کہ حقیقی طور پر آپ کی کوئی ہستی نہیں۔ آپ کو جو کچھ ملا ہے اس کے فضل سے ملا آپ اسے اس لئے اپنے پاس رکھتے ہیں کہ رکھنے کے لئے اللہ کا حکم ہے اور جب تک اس کی رضا ہوگی آپ اسے رکھیں گے اور جب وہ لے لیا جائے گا تو آپ کی ہستی نیست ہو جائے گی۔

اس نظریہ کے ساتھ اگر آپ اس معذور کو دیکھیں جس کی ایک آنکھ جاتی رہی یا کوئی اور عضو ضائع ہو گیا یا کسی بیماری کی وجہ سے زندگی بھر کے لئے معذور ہو گیا یا دماغ کھو بیٹھا تو پھر آپ اسے تضحیک کی نظر سے نہیں دیکھیں گے اس وقت آپ کو احساس ہوگا کہ یہ ہے میری حیثیت۔ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کا مجھ پر فضل و احسان نہ ہوتا تو میری حالت اس سے بدتر ہوتی۔

اس وقت آپ کو اس پر رحم آتا ہے۔ ترس آتا ہے اور آپ اس کی تکلیف میں حصہ بٹانا چاہتے ہیں۔ آپ اس کا مذاق نہیں اڑاتے نہ ہی اس پر ہنستے ہیں۔ پھر آپ کا یہ انفرادی رویہ قوموں کے لئے قومی جذبہ کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ میری آرزو ہے کہ کینیڈا ایسا ہو جائے وہ دوسری اقوام کی طرف رعونت سے نہ دیکھے۔ تجارتی نیت سے نہ دیکھے اس کی یہ نیت نہ ہو کہ ہم اس ملک کو کچھ دیکر اس سے کیا کچھ اینٹھ سکتے ہیں۔

یہ رویہ دنیا کے ہر کاروبار میں اور ہر جگہ جاری و ساری ہے ہر قوم کا دوسری قوم کے ساتھ یہی طرز عمل ہے مگر میرا مطلب کچھ اور ہے میں تو اس قوم کی بات کر رہا ہوں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا اجتماعی ادراک حاصل کر لیا ہے کہ اس نے اپنے فضل سے ہمیں یہ چیزیں عطا کیں۔ جو وہ اپنے بوقت پیدائش ساتھ ہی نہیں لائے تھے۔ ان کے حصول میں ان کی کوششوں کا کوئی دخل نہ تھا۔

دنیا کا ستر فیصد میٹھا پانی کینیڈا کی جھیلوں میں ہے۔ اس میں آپ لوگوں کا کیا دخل ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا احسان

ہے کہ آپ کو یہ عظیم نعمت عطا کی اور یہ سب اسی کا دین ہے۔ پس آپ ان انعامات بلکہ عظیم انعامات پر غور تو کریں اور اگر آپ میں للھیت ہے اور اللہ تعالیٰ سے محبت بھی ہے تو آپ کو ادراک ہوگا اور سمجھ آجائے گی کہ باوجود اس کے کہ آپ کو اس نے اس قدر وافر مقدار میں دولت عطا کی پھر بھی آپ کے اندر سطوت و جلال کا احساس نہیں ہے اور اس کی جگہ عجز و انکساری کے جذبات ہونگے اور آپ یہی محسوس کریں گے کہ میں تو اس کا مستحق نہ تھا۔ مگر میں ان سب کے ساتھ متعلق ہوں اور یہ سب میری ہی ہیں اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطاء اور بخشش ہے۔ ان کے ساتھ میں لوگوں کی مدد کیوں نہ کروں جو کم نصیب ہیں کیونکہ وہ بھی اسی کے بندے اور اسی کی مخلوق ہیں۔ یہ خاکساری اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لئے آپ کا طرز عمل بالکل بدل دے گی اور قوموں کے لئے بھی آپ کا انداز جداگانہ ہو جائے گا۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ کینیڈا کے ایک ممبر پارلیمنٹ سے افریقن ممالک کی امداد کے موضوع پر گفتگو کر رہا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ نہایت ہمدرد انسان ہیں۔ بہت شفیق بھی ہیں مگر انہوں نے مجھے کہا "ہم تو سیاستدان ہیں آپ ہمیں یہ بتائیں کہ آپ ہمیں اس کے بدلہ میں کیا دیں گے۔اس سودے کی شرائط کیا ہونگی۔ ہم گیمبیا' نائجیریا یا غانا کی مدد کیوں کریں۔ ہمیں اس کے عوض کیا ملے گا۔ امریکن جب امداد دیتے ہیں تو انہیں اس کے بدلہ میں سیاسی تفوق ملتا ہے اور ان کو عالمی مفاد حاصل ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ تو بتائیں کہ ہماری امداد کے بدلہ میں ملے گا کیا۔ پھر تو ہم آپ کی تجاویز پر غور کرنے کے لئے تیار ہیں"۔

مجھے خیال آیا کہ کاش کینیڈین انداز فکر اس سے کچھ مختلف ہوتا۔ ان کا قرب اور ہمارے ساتھ رشتہ اور تعلق ایک بالکل مختلف رنگ میں انہیں فائدہ پہنچا سکتا تھا۔ انہیں ہم سے کیا مل سکتا ہے۔ ہم تو ایک غریب سی جماعت ہیں ہم سے تو انہیں ہمارا اخلاق فاضلہ مل سکتا ہے اور زندگی کی اعلیٰ اقدار مل سکتی ہیں اگر ان اخلاق فاضلہ میں وہ ہمارے شریک بن جائیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پھر ساری دنیا کی ہمدردی میں وہ ہمارے شریک بن جائیں گے۔ پھر تو وہ کم نصیب انسانیت کی تکالیف اور مصائب کی وجہ سے راتوں کو چین کی نیند بھی نہیں سو سکیں گے۔ اسے للھیت کہا جاتا ہے۔

آپ کا امن صرف آپ کے لئے کافی نہیں۔ اس امن میں اوروں کا بھی حصہ ہونا چاہیئے۔ اگر آپ کے گردوپیش میں امن نہیں اور آپ لوگوں کے مصائب اور تکالیف میں حصہ بٹاتے ہیں تو اس کا نام بھی للھیت ہے۔ اگر آپ میں یہ بات پیدا ہوگئی تو پھر آپ اس دنیا سے جو ہمیں ملی بہتر دنیا پیدا کر سکیں گے۔

مجھے احساس ہے کہ ہم بہت چھوٹی جماعت ہیں ہماری تعداد بھی بالکل تھوڑی ہے اور ہمیں کوئی خاص اہمیت بھی حاصل نہیں۔ ہم طاقت ور بھی نہیں۔ ہمیں نہ سیاسی دبدبہ حاصل ہے نہ معاشی برتری۔ ہم سمندر میں محض ایک

قطرہ ہیں مگر جس راہ پر ہم رواں ہیں وہ راہ کوتاہ نہیں۔ یہ تاریخ اور مستقبل کی ایک طویل شاہراہ ہے۔ جس ڈگر کی میں نے نشان دہی کی ہے جسے اگر آپ اختیار کریں تو وہ ایک لامتناہی جادہ ہے جس کے آخر پر ہمیشہ فتوحات ہوتی ہیں۔ اگر میں یہ کہوں تو صحیح ہوگا کہ ہم دودھ کے سمندر میں دہی کا قطرہ ہیں اور مجھے یہ تسلیم ہے کہ ممکن ہے دودھ کے اس سمندر کو آخر کار دہی بنتے ہوئے ایک صدی لگ جائے۔ دو یا تین لگ جائیں اور اگر آپ میں دہی کے خواص موجود ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ انجام کار فتح آپ ہی کی ہے۔ پس آپ کا کام یہی ہے کہ ان صفات کو زندہ رکھیں۔ انہیں ماحول کی زہرناک آلودگی کی وجہ سے مرنے نہ دیں۔ اگر آپ نے للهیت کی صفات کو زندہ رکھا تو یقین رکھیں کہ یہ صفت ہمیشہ کامیاب اور کامران رہے گی۔

اس میں وقت لگے گا۔ مگر وقت کا مالک خدا ہے۔ اگر آپ اللہ والے ہیں تو وقت کی بھی آپ کے نزدیک اہمیت ہونی چاہیئے۔ اس میں بے صبری نہ ہو اور نہ ہی کسی جلد بازی کی ضرورت ہے۔ آپ کا جینا خدا کے لئے ہے۔ اور مرنا بھی خدا کے لئے اور اسی کے ساتھ دوبارہ اٹھنا ہے۔ وقت کا انسانی قدروں کے ساتھ ناپنا اسے بہت کوتاہ بنا دیتا ہے۔ پھر خدا اسے سنبھال لیتا ہے اور نیکی آپ کی زندگی کا مقصد اولیٰ بن جاتی ہے اور جب بھی آپ یہ مقصد حاصل کرتے ہیں آپ کامیاب نکلتے ہیں۔

اس لئے آخر میں آپ کو میرا یہی پیغام ہے کہ اسی راہ پر گامزن رہیں اگر اس راہ میں آپ کی جان بھی چلی گئی تو جس جگہ آپ جان دیں گے وہیں آپ کی فتح ہوگی۔ کیونکہ اس سفر میں اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہوگا مگر ایک نئی زندگی کے ساتھ۔ میں آپ کو دوبارہ یقین دلاتا ہوں کہ اس راہ میں ہر قدم اس کا اجر ہے۔ صرف زندگی کی جانب آپ کا نقطہ نظر تبدیل ہو کر ارفع ہونا چاہیئے۔ آپ دینے والوں میں سے بنیں۔ معاشرہ سے اپنے مطالبات کو فراموش کردیں۔ معاشرہ کے فرائض ادا کرنے میں کوشش کریں اس لئے نہیں کہ معاشرہ خوش ہو بلکہ اس لئے کہ خدا راضی ہو جائے مجھے امید ہے اور علم ہے کہ میں صحیح کہہ رہا ہوں کہ اگر احمدی میرے کہنے میں آج عمل کریں۔ کل کریں اور پرسوں بھی کریں تو ایک دن آئے گا جو ساری دنیا کے لئے امن کا دن ہوگا۔

آج آپ تعداد میں تھوڑے ہیں۔ بے اثر ہیں۔ مگر ہمیشہ ایسے نہیں رہیں گے۔ آپ اپنے گذشتہ سو برس سے کیوں سبق نہیں لیتے۔ آپ کیا تھے اور کون تھے۔ سو سے کچھ اوپر برس گذرتے ہیں کہ آپ قادیان میں صرف ایک شخص تھے۔ وہ ایک تنہا انسان جو قادیان میں رہا کرتا تھا اسے تو اس کے گرد و پیش کے لوگ بھی نہ جانتے تھے۔ مگر خدا نے اس سے کلام کیا اور اسے کہا کہ میں ایک پیغام تمہارے سپرد کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ دنیا کا انداز بدل دو۔ سارے معاشرہ میں انقلاب برپا کردو۔

جب اس انسان کو یہ پیغام ملا تو لوگوں کا فوری رد عمل یہ تھا کہ وہ مجنوں ہوگیا ہے۔ اس تنہا انسان کو اپنے ہی

گھر والوں نے رد کر دیا۔ ہر شخص نے اس کے پیغام سے منہ موڑ لیا۔ مگر خدا نے اسے کہا کہ وہ اس جادہ پر استقلال کے ساتھ بغیر دائیں بائیں دیکھے گامزن رہے اسے علم تھا کہ خدا اس کے ساتھ ہے۔ اور جن کے ساتھ وہ ہوتا ہے ان کے پیغامات ضائع نہیں کئے جاتے۔ وہ ہمیشہ کامیاب اور کامران ہوتے ہیں۔ خدا نے اسے کہا کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ تجھے دنیا نے قبول نہیں کیا۔ مگر میں نے تجھے رد نہیں کیا پس نیکی کی اس راہ پر انسانی زندگی میں مسرتیں بکھیرتے آگے بڑھتے چلے جاؤ اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں تمہارا پیغام زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔

وہی ایک آواز آج ایک کروڑو آوازیں ہیں۔ وہی ایک شہر آج دنیا میں ہزاروں لاکھوں شہر بن گئے ہیں۔ وہی ایک ملک آج دنیا کے ایک سو پچیس ملک بن چکے ہیں۔ اپنے ماضی کی طرف نظر کرو اور دیکھو کہ خدا نے تمہارے ساتھ کیسا بے نظیر سلوک کیا ہے اور مستقبل میں اعتماد کے ساتھ قدم رکھو۔ تم ہی وہ قوم ہو جس نے آئندہ ساری دنیا میں انقلاب برپا کرنا ہے۔

کینیڈا کے لئے بھی میرا پیغام ہے۔ تم کینیڈین لوگوں کے ساتھ دنیا میں للهمت کے حصول کے لئے آپس میں تعاون کرتے ہوئے نکلو۔ خدا تمہارے ساتھ ہوگا اور آؤ ہم اس ساری دنیا میں پھیلا دیں اور زندگی کے انداز کو تبدیل کر دیں جوں جوں ہم خدا والے ہوتے چلے جائیں گے لوگوں کو خدا والے بناتے چلے جائیں گے۔ دنیا میں بس یہی امن اور سکون کی ایک راہ ہے۔ اور کسی دوسرے امن کی کوئی حیثیت نہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔

❀ ❀ ❀

بقیہ صہ ۳۱ - چند حسین یادیں

آچھی مرحومہ کو مجھ پر کچھ ایسا ہی اعتماد تھا کہ اگر ان کے گھر میں ان کو کسی نوکر سے کوئی شکایت ہوتی تو بھی آچھی' اس کا ذکر مجھ سے کرتیں کہ آپ ایسے نوکروں کی اصلاح کریں۔

میں عموماً" گرمیوں میں لنڈن چلی جایا کرتی ہوں مجھ سے گرمی برداشت نہیں ہوتی۔ صرف اس دفعہ لنڈن کا پروگرام نہیں بنا سکی۔ کیوں؟ ا۲ . ے کہ وہاں میری آنکھیں آچھی کو ڈھونڈھیں گی۔ وہاں اداسی ہوگی۔ ین کسی سے کچھ بھی کہہ نہ پاؤں گی۔ لنڈن تمام سیزن رہائش کے دوران آچھی ہر وقت میرے ہی کمرہ میں چہچہاتی رہا کرتی تھیں۔ اور اب........؟

آچھی! تم بڑی خوش قسمت ہو جسے حضرت طاہر ایدہ اللہ تعالیٰ جیسے خاوند کی رفاقت نصیب ہوئی۔ اور جواب تمہارے لئے تمہارے بعد بھی۔ ان گنت خوبصورت دعاؤں۔ نیک تمناؤں کے سندیسے مسلسل بھجوا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ اپنے رحمت کے سایہ میں رکھے۔ آمین۔

☆ ☆ ☆

"تیرے کام کے ساتھ اس کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا"

حضرت سیدہ آصفہ بیگم صاحبہ نوّر اللہ مرقدھا کی چند حسین یادیں

حضرت سیّدہ مہر آپا صاحبہ مدّظلہا العالی

یہ ربع مسکون کیا ہے؟ باوجود اس حتمی علم کے۔ کہ اس دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات باری کو بقا ہے۔ پھر بھی جب کبھی بھی کوئی عزیز۔ کوئی دوست جدا ہو جاتا ہے۔ تو انسان کس قدر بے صبر۔ بے قرار نیم بسمل ہو کر تڑپنے لگتا ہے؟ کچھ اس قسم کی کیفیت سے دوچار گزشتہ دنوں جماعت کا ہر فرد۔ پیاری آچھی کی دوران علالت میں رہا۔ یعنی میری عزیز آچھی (عزیزہ آصفہ مرحومہ جن کو ہم سب پیار سے آچھی ہی کہا کرتے تھے) ہاں! آچھی مرحومہ جو کافی لمبا عرصہ بستر علالت پر رہیں۔ اور اس دوران ان کو کبھی گھر میں زیر علاج رکھا گیا۔ کبھی امریکہ لے جایا گیا۔ اور پھر آخر کار لنڈن کے ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا۔ اور آخر میں مشیت ایزدی پوری ہوئی۔ اور عزیزہ مرحومہ محبوب حقیقی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ہم سب کو مجسمہ غم بنا کر اور ہماری آنکھوں کو موتیوں کے ہار سونپ کر اپنی ڈگر پر رواں دواں ہو کر چل دیں...... انا للہ وانا الیہ راجعون

میری آچھی پیاری نے بہت ہی سادہ منکسر المزاج اور ہنس مکھ طبیعت پائی تھی۔

اے خدا! بر تربت او ابر رحمت ہا ببار
داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم

آچھی جانی بہت ہمدرد تھیں۔ ایک دفعہ جلسہ سالانہ کی بات ہے میرے چھوٹے بھائی نسیم مرحوم سوات سے آئے ہوئے تھے اور میرے ہاں ہی مقیم تھے۔ ان کی طبیعت صبح ناشتہ پر جب بیٹھے تو غیر معمولی طور پر خراب تھی اور وہ نڈھال لگ رہے تھے۔ جلسے کا دوسرا دن تھا پروگرام کے مطابق ان کو اسی حال میں چھوڑ کر مجھے تقریر کے لئے جانا پڑا۔ میری عدم موجودگی میں عزیزہ آچھی اور حضور نے ہی نسیم کو اٹینڈ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے نسیم بھائی کو اس وقت اس شدید ہارٹ اٹیک سے بچا لیا اور وہ درد و کرب میں ڈوبی ہوئی دعائیں ہی تھیں جن کا معجزہ ہم نے دیکھا۔

آچھی پیاری نے کس قدر پیار سے مجھے کہا۔ مہر آپا اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل کیا ہے اب کرائسس پاس ہو چکا ہے اور دعا مسلسل اور علاج و پرہیز کی طرف ساری توجہ ہونی چاہیے۔ پھر دوران بیماری صبح شام میرے پاس رہیں اور نسیم کی

تیمارداری میں میرا ہاتھ بٹاتی رہیں۔ آچھی اس وقت میرے گھر کے ساتھ ہی اپنی کوٹھی میں رہائش پذیر تھیں اور اس وقت حضور ابھی تاج خلافت سے مزین نہ تھے۔

آچھی کو مجھ سے کافی تعلق تھا۔ ہم ایک دوسرے کے قریب رہے۔ باہم بہت مانوس تھے۔ اور میرا ہر قسم کا خیال رکھتیں۔ ہمسائیگی کا پورا حق ادا کرتیں۔ ضرورت پڑنے پر تیمارداری کرتیں اور اکثر کہا کرتی تھیں۔ مہر آپا! آپ اپنا خاص خیال کیوں نہیں رکھتیں۔ ذرا بھی طبیعت غیر معمولی ہو آپ مجھے بلالیا کریں وغیرہ۔

آپا سلام مرحومہ (بیگم مرزا رشید احمد صاحب مرحوم) نے ایک دن اپنے بچوں کے سامنے کچھ زیور رکھے تاکہ وہ پسند کرلیں۔ آچھی نے اس میں ذرا بھی دلچسپی ظاہر نہ کی۔ ہنستی مسکراتی رہیں اور کہا چلو جسے جو پسند ہے لے لے۔ آچھی کو قطعاً کوئی طمع یا لالچ نہ تھا۔ یہاں تک کہ آپا سلام مرحومہ (انکی والدہ) نے خود ہی کوئی اپنی پسندیدہ چیز اٹھا کر ان کو دے دی۔ یہاں بھی آچھی مرحومہ کے بے نفسی ہی تھی۔

ایک دفعہ سردیوں کی رات تھی۔ کڑاکے کی سردی تھی۔ میں ان دنوں پرانے قصر خلافت میں رہائش پذیر تھی۔ اور آچھی اپنی اس کوٹھی میں جو میری موجودہ رہائش گاہ کے ساتھ ہے۔ اس میں مقیم تھیں۔ حضور سلسلے کے کام کے لئے معمول کے مطابق ربوہ سے باہر تھے۔ رات دو بجے میرے فون کی گھنٹی بجی جو میرے سرہانے ہی رکھا ہوا تھا۔ جب میں نے فون اٹھایا تو۔ ایک گھبرائی ہوئی آواز......م م...... مہر آپا! چو....چو....چور ہمارے کمرہ کے اندر ہے اور وہ چھوٹی' کو اٹھانے کی کوشش میں تھا۔ آپ جلدی آئیں۔ میں سوتے ہوئے گہری نیند سے جو اٹھی تو چند سیکنڈ کے لئے یہ خیال آیا۔ میں میاں ناصر (حضرت خلیفۃ المسیح الثالث) کو جگاؤں۔ پھر اس خیال کو میں نے جھٹک دیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کو تکلیف ہوگی۔ میں نے برقعہ لیا اور اپنے گھر سے پہرہ داروں سے یہ کہتے ہوئے بھاگ نکلی۔ کہ میں جس طرف بھاگ کر جارہی ہوں آپ فوری طور پر میرے پیچھے چلے آئیں اور حضور کی کوٹھی کو گھیرے میں لے لیں ان کے گھر میں چور گھسے ہوئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ویسے ہی کیا۔ جب میں اندر گئی ہوں تو آچھی زرد پتے کی طرح لرزہ براندام تھیں اور ثریا کی (انکی خادمہ) گھگی بندھی ہوئی روروکر بتارہی تھی کہ کس طرح چور اندر آئے؟ چابیاں میز پر سے اٹھائیں اور پھر چھوٹی' کو لیکر بھاگنے لگے تھے۔ اور ہم نے آپ کو کیسے فون کیا؟

آچھی کو میں نے الٹنڈ کیا چائے وغیرہ دی اور ہومیوپیتھک دوائیاں Cretigus K-phos دیں۔ جب انکی طبیعت سنبھلی تو پھر میں نے امور عامہ میں اور اپنے گھروں میں بھی فون پر اطلاع دی۔ حضور جو کہ ربوہ سے باہر تھے پتہ چلنے پر واپس گھر آئے۔ اور ہنستے ہوئے مجھے فرمانے لگے۔ مہر آپا! آپ کو یہ ساری ہمت و طاقت کیسے آگئی کہ بے خوف و خطر اندھیرے میں اٹھ بھاگیں۔ میں نے کہا طاہری جی! مجھے تو خوشی اس بات کی ہے کہ باوجود تمام افراد خاندان کے جن کے ساتھ باہم کئی کئی رشتے ہیں۔ آچھی کی نظر انتخاب مجھ پر ہی پڑی۔ اور خدا تعالیٰ نے یہ ساری بھاگ دوڑ مجھ سے ہی کروائی۔

بقیہ صفحہ ۲۶ پر

اسماء الانبیاء فی القرآن

محترم شیخ عبدالقادر صاحب ــــــــ لاہور

۱۹۵۶-۶۶ء کی بات ہے ہمیں داغ مفارقت دے جانے والے عالم باعمل حضرت مکرم میر داؤد احمد صاحب جامعہ احمدیہ کے پرنسپل تھے آپ کی تحریک پر "اسماء الانبیاء فی القرآن" کے موضوع پر اس عاجز کو نئی تحقیق کی توفیق ملی۔ یہ مقالہ جو کہ ۱۳۳ صفحات پر مشتمل ہے فضل عمر فاؤنڈیشن کے انعامی مقابلہ میں انعام یافتہ قرار پایا۔ اس تحقیق کے کچھ عرصہ بعد شام میں ایبلا (EBLA) کی کھدائی شروع ہوئی وہاں سے ہزاروں کی تعداد میں الواح گلی دستیاب ہوئیں ان کا زمانہ آج سے کم و بیش ۴۵۰۰ سال قبل کا ہے ان کی عبارات میں دنیائے قدیم کے اسماء برآمد ہوئے۔ یہ عجیب بات ہے کہ بعض نام قرآنی تلفظ کے مطابق ہیں۔ بائبل کا تلفظ غلط ثابت ہوا مثلاً یسرائیل کی بجائے اسرائیل ہے یشمائیل کی جگہ اسماعیل ہے۔ دیود یا دوید کی بجائے داؤد ہے۔ یسوع کی جگہ عیساؤ ہے۔ اس طرح قرآنی صداقت کا اظہار ہوا۔ اس عاجز کی تحقیق بھی درست ثابت ہوئی۔

اس مقالے میں اس عاجز نے ہر نبی کا نام لسان قوم میں تلاش کیا ہے اصل مقالہ ابھی شائع نہیں ہوا اس کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

مستشرقین معترض ہیں کہ انبیاء کے قرآنی نام درست نہیں ہیں بعض جگہ یونانی کی جھلک ہے بعض سریانی نما ہیں۔ کچھ نے سنائے ہیں بعض جگہ سجع ہے جیسے موسیٰ کے وزن پر عیسیٰ کہ ایک مستشرق لکھتا ہے کہ اگر اسماعیل اہل مکہ میں سے تھے تو اندریں صورت یشماعیل کا اسماعیل کیسے بن گیا؟ اب انکشاف ہوا کہ عبرانی تلفظ میں مرور زمانہ کی وجہ سے فرق آگیا۔ قرآن کے اسماء اصل کے مطابق ہیں۔

تورات نے آباء بنی اسرائیل کے ناموں کو معانی کے لحاظ سے بعض مخصوص واقعات کے پیش نظر محدود کر دیا۔ اسحاق کو ضحاق بنادیا کیونکہ سارہ بانجھ پن کے پیش نظر بشارت ملنے پر ہنس پڑی۔ بعض حضرت اسحاق کے بڑے بیٹے کے بدن پر پیدائش کے وقت بال تھے اس لئے عیسو نام رکھا۔ یعقوب اپنے بڑے بھائی کی ایڑی پکڑے ہوئے پیدا ہوئے تھے۔ توام پیدائش کے وقت' اس لئے یعقوب نام رکھا۔ حالانکہ دنیائے قدیم میں یہ نام کسی خاص واقعہ سے قطع نظر متداول تھے اس لئے خاص واقعہ سے ان کا تعلق ثابت نہیں۔ قرآن کریم اس نقص سے پاک ہے۔ بہرکیف مقالے کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ اجمال کی تفصیل کے لئے اصل مقالے کی طرف

رجوع کرنا ہوگا۔

حضرت ادریس علیہ السلام

تورات میں پیغمبر کا نام حنوک ہے۔ عبرانی میں حنک کے ایک معنی سکھانے تعلیم دینے کے ہیں قرآن میں ادریس نام ہے یہ نام درس و تدریس سے عبارت ہے۔ حنوک ادریس کا ترجمہ ہے کیونکہ حضرت ادریس کے وقت عبرانی کا وجود ہی نہیں تھا۔ اصل نام ادریس ہے۔ ترجمہ بعد میں ہوا۔ آج سے ۲۳۰۰ سال پہلے کی ایک تاریخی دستاویز میں جسے بابلی کاہن بیروسس Berosus نے مرتب کیا طوفان نوح سے پہلے کے ایک بزرگ کا نام "ای دوریس کس" Edores-chus ہے۔ کس یونانی لاحقہ ہے۔ باقی نام ادریس کے اقرب ہے مسلمہ ہے کہ یہ حنوک کا نام ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام

قرآن میں نوح ہے اور تورات میں نوحا۔ کتبات بابلی میں لوگوں کا نام Nuh-Nuhiya ملتا ہے۔ نوح مستقل نام ہے نوحیہ اسم تصغیر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نام کی اصل صورت نوح ہے تورات میں ہے کہ نوح کے معنی "آرام یافتہ" کے ہیں عربی میں ناح۔ نج یا نیاح کی صورت میں دائمی آرام دینے کے معنی ہیں۔ کشتی نوح نے چونکہ مومنوں کو بچالیا اس لئے نوح نام میں ایک معنوی حقیقت مضمر ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

تورات میں ہے کہ پیغمبر کا پہلا نام "ابرام" تھا بعد ازاں خدا نے اسے "ابراہام" قرار دیا کہ بچپن سے ابراہیم نام تھا۔ **یقال لہ ابراہیم** بچپن سے ہی اسے ابراہیم کہتے تھے۔ ہر پیغمبر کا نام لسان قوم کے التزام سے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کے کلدانی کتبات میں "ابرو" کے معنی دوست کے ہیں **الھم** سامی زبان میں عزم مصمم سے عبارت ہے۔ یعنی اولوالعزم دوست آپ کا خطاب خلیل اللہ تھا وہ بھی دوستی سے عبارت ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی زبان کلدانی اور آرامی عربی تھی۔ عربی زبان کی رو سے الابرام کے معنی ہیں کسی معاملہ کو محکم اور مضبوط کرنا۔ ابراہیم کے معنی ہونگے عزم مصمم سے محکم اور مضبوط کرنے والا (رجل ھم صاحب ہمت اور بلند خیال آدمی)

حضرت اسماعیل علیہ السلام

تورات میں نام یشماعیل ہے۔ شام میں آج سے ۴۵۰۰ سال پہلے کے کتبات ملے ہیں۔ ایبلا کی الواح ان کا نام ہے۔ ان میں اسمائے قدیمہ درج ہیں۔ اسماعیل نسل انسانی کا ایک پرانا نام ہے EBLA کے آثار میں یہ نام قرآنی صورت میں مل گیا ہے۔ یہ نام استجابت دعا سے عبارت ہے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام

تورات میں نام کی صورت یضحاق ہے۔ زبور اور بعض دوسرے صحف بائبل میں یسحاق ہے۔

عبرانی میں الف کو مزید سہل اور نرم کرنے کے لئے اسے ی یا واؤ میں بدل دیتے ہیں جیسے "آخر" کا یا خر بن گیا (عبرانی کالدی لغت زیر حرف الف)

ظاہر ہے کہ یسحاق دراصل اسحاق ہے۔ آل ابراہیم کی زبان آرامی عربی تھی۔ عربی میں سحق کے بنیادی معنے بعد اور دوری کے ہیں۔

تورات میں ہے کہ سارہ کے ہنسنے کی وجہ سے نام یضحاق رکھا گیا قرآن میں ہے۔ سارہ ہنس پڑی اور اسحاق کی اسے بشارت دی گئی۔ ظاہر ہے کہ بروئے قرآن اسحاق کے معنی ہنسی والے ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ بچے کی پیدائش سے بیماری کے فنا ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ السحق کے معنی ہیں دور ہونا اسحق فلانا" اس نے اسے دور کر دیا۔ ہلاک کر دیا۔ اسحاق کی پیدائش سے چونکہ سارہ کا بانجھ پن دور ہو گیا ختم ہو گیا ان معنوں کی مناسبت سے نام اسحاق ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام

تورات میں ہے کہ ان کا نام ی ع ق ب یعقب رکھا گیا کیونکہ وہ پیدائش کے وقت عیسو کی ایڑی پکڑے ہوئے تھے ان کا لقب یسرائیل تھا۔ اٹھارویں صدی قبل مسیح میں شمالی میسوپٹامیا میں یہ نام یعقوب ایل کی صورت میں مل گیا ہے (جیروم بائبل کومنٹری نوٹ ۸۷)۔ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیائے قدیم کے دونو نام یعقوب اور اسرائیل کی صورت میں پائے گئے۔ کتبات بابلی میں یاخوب ایل یا الو کی صورت میں۔ اور "اسریل بن رش" کی صورت میں۔ ایبلا (شام) کے آثار قدیمہ میں اسرائیل ہے یسرائیل نہیں ہے۔ سامری تورات میں یسرائیل کی بجائے اسرائیل ہے فلسطین میں ایک بستی کا نام یعقوب ایل ملا ہے۔ شاہ مصر تو تمس سوم (۱۴۷۹ ق م) کے کتبہ میں یہ نام موجود ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو **ومن وراء اسحق یعقوب** (ھود ۷۲) کے الفاظ میں بشارت دی گئی۔ یعقوب نافلہ کے طور پر پیچھے آنے والے جانشین تھے۔ اس لئے یعقوب کہلائے۔

صرف پیدائش کے وقت ایڑی پکڑنے کی وجہ سے نہیں بلکہ نافلہ اور جانشین کے معنوں میں۔ تورات نے بتایا پہلے عیسو پیدا ہوئے یعقوب اس کی ایڑی پکڑے ہوئے تھے اس لئے وہ یعقوب کہلائے قرآن حکیم میں اشارہ ہے اس سے وسیع تر معنوں میں یہ نام وارد ہوا۔ کیونکہ دنیائے قدیم کا یہ نام ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام

تورات میں پیغمبر کا نام یوسف زبور میں یہوسف قرآن حکیم میں ی اور س پر پیش ہے نام یوسف ہے بابل کے کتبات میں یہ نام یاسف الو ہے۔

زبور کے حوالہ سے ظاہر ہے کہ یوسف نام یہوسف کا مخفف ہے۔ بعض علماء اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہو عربی کا یاھو ہے بروئے تورات یوسف نام میں "بڑھوتی" کی طرف اشارہ ہے عبرانی میں یسف کے معنی ہیں وہ بڑھائے گا۔ یوسف کے معنی ہیں خدا اور بڑھائے گا۔ اس نام میں حضرت یوسف کے مدارج میں ترقی کی پیش خبری ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

قرآن کریم میں نام موسیٰ ہے تورات میں موشے ہے قرآن حکیم میں ہے کہ فرعون کی بیوی نے موسیٰ کو گود لیا تورات میں ہے فرعون کی بیٹی نے گود لیکر کچھ بڑا ہونے پر موسیٰ نام یہ کہہ کر رکھا کہ میں نے اسے پانی سے نکالا (خروج ۱۰ / ۲) فرعون کی ایک بیوی ارض شام کی شہزادی تھی اسے عبرانیوں سے درپردہ ہمدردی تھی وہی عبرانی بچے کی پرورش کر سکتی تھی۔ فرعون کی بیٹی کو کیا ضرور تھا عبرانی بچے کو گود لیتیں کیا مصری نژاد بچے نہیں لے سکتی تھی۔ پس قرآئن' قرآن کی تائید میں ہیں۔ اندریں صورت ظاہر ہے کہ شامی شہزادی نے اپنی زبان میں نام رکھا۔ ارض شام کی بولی "آرامی عربی" تھی۔ بنی اسرائیل کی زبان بھی اس وقت عبرانی نہیں تھی بلکہ آرامی عربی کی ایک شاخ تھی۔ پس موسیٰ نام مصری نہیں ہو سکتا یہ "آرامی عربی" نام ہے۔ بنی اسرائیل نے بعد میں اسے عبرانی بنا لیا۔

عبرانی کی رو سے وجہ تسمیہ میں بڑی مشکل یہ ہے کہ عبرانی میں موشے اسم فاعل ہے اسم مفعول بنانا ہو تو ماشوی کہیں گے لیکن عربی کی رو سے موشی یا موسیٰ کے معنی نکالے ہوئے کے ہیں اوشی کا اسم مفعول موشی بنے گا۔ یعنی "نکالا ہوا" عربی میں مسی' مسیا کے معنی کھینچ کر نکالنا نہیں۔ شین سے ہو یا سین سے' دونو صورتوں میں معنی نکالنے کے ہیں۔ عبرانی نام غالبا اس وقت زبان زد خلائق ہوا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو پانی سے نکالا۔ اصل نام موسیٰ تھا بعد میں موشے ہوگیا یسعیاہ ۱۱/۶۳ میں حضرت موسیٰ کو پانی سے نکالنے والا قرار دیا گیا موشیہ الو آیا ہے یعنی امت کو پانی سے نکالنے والا۔ قرین قیاس ہے کہ موشے اصل نام نہیں بلکہ بعد کا خطاب ہے اصل نام موسیٰ ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام

عبرانی بائبل میں پیغمبر کا نام ایوب ہے۔ قرآن حکیم میں ایوب۔ ایوب کی وجہ تسمیہ کا ذکر ہے۔ فرمایا۔ **وانہ اواب** اس میں معنوں کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی رجوع کرنے والا۔ ترک معاصی اور فعل الطاعات سے اللہ کی طرف لوٹنے والا عبرانی میں نام کی صورت درست نہیں ہے ایوب کے عبرانی مادہ کے معنی دشمن بن جانے کے ہیں۔ مصر میں بنی حسن کے آثار میں قرآنی تلفظ میں ایوب نام مل گیا ہے گویا یہ دنیائے قدیم کا نام ہے انہی اثار سے متاثر ہو کر بعض علماء اب پکار اٹھے۔ کہ عبرانی میں تو ایوب کے مادہ کے معنی دشمن بن جانے کے ہیں۔

ایوب نام کا عربی روٹ 'اوب ہے جس کے معنی لوٹنے یا رجوع کرنے کے ہیں اسی روٹ سے اواب ہے۔

(انٹرپریٹرز بائبل ڈکشنری زیر لفظ JOB)

قرآن حکیم نے ایوب کو **وانہ اواب** کہا ہے صداقت اب بالکل واضح ہے۔

حضرت الیاس علیہ السلام

اس پیغمبر کو بائبل میں ایلیا کہا گیا۔ قرآن حکیم میں الیاس ہے الیاس نام عرب میں مروج تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سترھویں پشت میں الیاس نام ملتا ہے یعنی "معد بن عدنان" کے پڑدادا کا نام الیاس تھا (بخاری باب مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم) سریانی بائبل میں ایلیا ہے الیاس بھی آیا ہے۔ ایتھوپی بائبل میں الیاس ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے سین یونانی لاحقہ نہیں بلکہ اصل نام کا جزو ہے۔

قرآن حکیم میں الیاس کو "الیاسین" بھی کہا گیا اس کے معنوی اسرار اپنی جگہ ہیں ظاہری مناسبت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد ملا ئکتہ اللہ کے جلو میں ان کے ہاتھوں غذا کھا کر ایک طویل سفر کے بعد حضرت الیاس کوہ سینا پہنچے وہاں ان پر کلیم اللہ کی طرح رعد و برق کے عالم میں وحی نازل ہوئی (سلاطین نمبر۲ 'باب۱۹)

اس طرح وہ الیاس سے الیاس سین بن گئے۔ یعنی "سینائی الیاس" الیاس عبرانی نام ہے کیتھولک بائبل میں ایک زائد صحیفہ "یشوع بن سیراخ" ہے اس میں ہے۔

تب الیاس مبعوث ہوا جو آتش کی مانند نبی تھا اور جس کا کلام بھٹی کی طرح جلتا تھا۔

(۴۸،۱-۹)

عبرانی کی رو سے الیاس "ایلی اش" ہو سکتا ہے۔ یعنی میرا خدا آگ ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے نار میں جلوہ خداوندی دیکھا اس پس منظر میں یہ نام ہے۔ بعد میں سین حرف ہ میں بدل گئی اور نام ایلیا ہو گیا اور وجہ تسمیہ بھی بدل گئی۔

ہیٹنگز بائبل ڈکشنری کے نئے ایڈیشن (۱۹۶۳ء) میں ہے کہ نئے عہدنامہ کی رو سے الیاس مسیح کا پیشرو ہے۔ اور اس کے آنے کی پیشگوئی یوحنا کی بعثت یعنی حضرت یحیٰ علیہ السلام کے ذریعہ پوری ہوگئی۔ (ص ۲۴۳ زیر لفظ (EliJah

حضرت یونس علیہ السلام

حضرت یونس کا نام عبرانی بائبل میں یوناہ سریانی میں یونان ہے عہد جدید میں یونس اور یوناہ۔ قرآن حکیم میں (ی اور س کی پیش سے) یونس ہے۔ بائبل میں ہے کہ وہ ایک عبرانی نبی تھے مبعوث ہوئے ایک غیر قوم آشوریوں کی طرف، جو عبرانیوں کے دشمن اور خون کے پیاسے تھے قرآن حکیم میں ہے کہ وہ اپنی ہی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے یونس عبرانی نہیں عراق عرب کے پیغمبر تھے۔ ان کا نام عربی ہے اور انس و موانست سے عبارت ہے یعنی مانوس کئے گئے۔

علماء عصر حاضر کہتے ہیں کہ یونس کا قصہ ایک Myth ہے یہ اساطیر عالم کی کہانیوں میں سے ایک کہانی ہے۔ کیونکہ اہل نینوا کے لئے کسی عبرانی پیغمبر کی دعوت کا قبول کرنا خارج از امکان ہے قرآن حکیم کا قصہ اس نقص سے پاک ہے۔

اساطیر الاولین کے آثار بتاتے ہیں کہ اہل عراق کی طرف ایک ریفارمر اونس نامی مبعوث ہوئے تھے۔ اساطیر میں ہے ان کا سر انسان کا تھا دھڑ مچھلی کا تھا۔ اس پیغمبر سے مراد کیا یونس ہے؟ یہ امر قابل غور ہے۔ ان کو مچھلی والا واقعہ پیش آیا وہ صاحب الحوت تھے اساطیر میں بات کو بڑھا دیا گیا علماء مانتے ہیں کہ اونس میں یوناہ نبی کی پرچھائیں موجود ہیں۔ پس یونس ایک عربی پیغمبر تھے ان کا نام بھی انس و موانست سے عبارت ہے جبکہ یوناہ جس کے معنی فاختہ کے ہیں ایک اساطیری نام ہے۔

عبرانی میں پیغمبر کا نام یوناہ ہے سریانی بائبل میں یونان۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نام کے حرف آخر کا اشتباہ ہے قرآن حکیم نے آخری حرف سین بتایا۔ اساطیر میں بھی سین ہے۔ عبرانی میں یہ عجیب بات ہے الیاس کا سین، ھ میں بدل گیا اسی طرح یونس کا سین ے میں بدل گیا قرآن حکیم نے اس غلطی کی اصلاح کی اور اصل ناموں سے روشناس کیا۔

اے جیفرے اپنی کتاب

The Foreign Vocabulary of the Quran

میں رقم طراز ہیں۔

"یونانی زبان کے نسخہ سبعینہ میں یوناہ کو یونس لکھا گیا نئے عہد نامہ میں بھی یونس ہے یہ خیال کہ عربی کا یونس براہ راست یونانی نام کی صورت ہے درست نہیں۔ ایتھوپی میں بھی ہمیں آخری سین ملتی ہے۔ فلسطینی عیسائیوں کی قدیم سریانی میں بھی یونس ہے گویا آخری سین موجود ہے"

(ص ۲۹۶)

حضرت داؤد علیہ السلام

قرآن حکیم میں پیغمبر کا نام داؤد آیا ہے بائبل میں مختلف فیہ ہے اس کو ابتدا" تین حروف سے لکھا گیا یعنی دود پھر دوید کی صورت میں ہے۔ نئے عہد نامہ میں دیود بھی نام کی صورت آئی ہے سریانی بائبل میں دیود نام ہے۔ اس اختلاف سے ظاہر ہے کہ اصل تلفظ گم ہے۔ ورنر کیلر اپنی کتاب Bible as History میں لکھتے ہیں۔

"ہر ممکن وجوہ موجود ہیں کہ داؤد دیود نہیں کہلائے یہ ایک حیران کن انکشاف ہے جو کہ کتبات ماری کے پیش نظر حال ہی میں ہوا ہے۔ ان کتبوں میں "دیو دوم" نام بتکرار آیا ہے۔ اس کے معنی کمانڈر یا جنرل کے ہیں گویا یہ ایک عہدہ ہے نام نہیں دیود ایک فوجی عہدہ ہے جو کہ نام کے طور پر مشہور ہو گیا۔"

(ص ۱۹۱)

نام کی اصل صورت کیا تھی؟ اس کا ثبوت آج سے ۴۵۰۰ سال پہلے کے کتبات میں مل گیا ہے یعنی سرزمین شام سے نکلنے والی الواح ایبلا میں۔ ان میں نام داؤدم ہے۔ ایبلا کے طریق کے مطابق حرف میم لاحقہ ہے اصل نام داؤد ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیائے قدیم میں قرآنی تلفظ میں داؤد نام متداول تھا۔

داؤد کا روٹ دود ہے جس کے معنی محبت کے ہیں عبرانی میں نام کے معنی دوست کے ہیں۔

حضرت ذوالکفل علیہ السلام

حضرت حزقی ایل نبی عراق میں نہر ہندیہ کے بائیں کنارے پر دفن ہوئے مقام مدفن کا نام کفیل ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ ذو الکفل تھے تبھی مقام مدفن کا نام 'کفیل ہے۔ دوسری مناسبت یہ ہے کہ حضرت حزقی ایل دھرے مشن والے

Twofold ministery

کے حامل نبی تھے وہ یروشلم میں مبعوث ہوئے اور جلا وطنی میں قوم کے ساتھ بابل میں گئے "یروشلم بائبل (۱۹۶۶ء) کے حاشیہ میں ہے آپ دھرے مشن والے تھے۔ حال ہی میں علماء نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ آپ Twofold ministery والے پیغمبر تھے عربی میں کفل کے بہت سے معانی ہیں کفل کے ایک معنی دوچند کے ہیں۔

عبرانی میں بھی کفل کے معنی دوچند اور ڈبل کے ہیں۔

شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام زیر لفظ ذوالکفل لکھا ہے۔

کفل کے معنی دو چند کے ہیں۔ اسلامی روایات میں کفل کے ان معنوں کے پیش نظر ذوالکفل کو دہرے انعامات الٰہیہ کا وارث قرار دیا گیا کیونکہ اس پیغمبر کا نیک کاموں میں ڈبل حصہ تھا۔

کفل کے اولین معنی ذمہ دار بننے کے ہیں۔ حضرت حزقی ایل نبی کو اس حد تک قوم کا ذمہ دار بنایا گیا لکھا ہے۔

اے آدم زاد میں نے تجھے بنی اسرائیل کا نگہبان مقرر کیا......... اگر تو شریر کو آگاہ نہ کرے......... تو میں اس کے خون کی بازپرس تجھ سے کروں گا۔(حزقی ایل ۱۸/۳)

لیکن میں نگہبان سے اس کے خون کی باز پرس کروں گا......... سو میں نے تجھے بنی اسرائیل کا نگہبان مقرر کیا۔(حزقی ایل ۶۔۷/۳۳)

حزقی ایل نبی کے عہد میں قوم جلا وطن تھی اور مصیبت عظمیٰ سے دوچار تھی اس ابتلاء کے دور میں آپ کو قوم کا کفیل بنایا گیا اس طرح آپ ذوالکفل تھے۔ علماء بائبل کہتے ہیں کہ اس باب میں حضرت حزقی ایل منفرد ہیں وہ پہلے کفیل پیغمبر تھے۔

حضرت یحیٰ علیہ السلام

قرآن حکیم میں اسمہ یحی وارد ہوا انجیل میں ہے کہ نام یوحنا رکھا گیا۔ یوحنا کا مادہ حنن ہے قرآن میں ہے کہ آپ حنان بھی تھے۔ وحنانا" من لدنا" میں اشارہ ہے کہ یوحنا صفاتی نام تھا یحی ذاتی نام۔

حضرت یحی کی امت مندیہ فرقہ کی صورت میں عراق میں موجود رہی۔ ان کے صحائف جو کہ قرون اولیٰ کے ہیں ان میں ہے کہ آپ کے دو نام تھے یحی اور یوحنا۔ آپ یحی یوحنا کہلائے۔

نبطی کتبات میں قرون اولیٰ کے اسماء میں یحی نام ملتا ہے وہ اسے "یحیو" بھی کہتے ہیں۔ یحی بن سمعون نام بھی آیا ہے۔

(تاریخ العرب قبل الاسلام از ڈاکٹر جواد علی جلد ۷، ص ۳۰۰ تا ۳۲۰)

حضرت یحی کے بعد یہ نام متداول ہو گیا نبطی کتبات اس پر شاہد ہیں کہ حضرت یحی شہید ہو کر زندہ جاوید ہو گئے اس طرح یحی نام میں ایک مضمر حقیقت تھی جو پوری ہو گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

انجیل میں ہے کہ حضرت مریم کو فرشتے نے بشارت دی۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] Jesus in the Quran. [illegible]

[illegible]

[illegible]

میں
س کا
ورہ
اب
پچین
یجی
لئے
ئے یہ
ہے۔
ہے

پھر
ہے
ھا۔
بتایا
بان
۔

قم

سیّدنا حضرت امام جماعت احمدیہ (الرّابع) ایدہُ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز کا منظوم کلام

جو جلسہ سالانہ برطانیہ ۱۹۹۲ء کے اختتامی اجلاس میں مکرم عصمت اللہ صاحب آف جاپان نے پڑھکر سُنایا

نہ وہ تم بدلے نہ ہم۔ طَور ہمارے ہیں وہی　　فاصلے بڑھ گئے۔ پر قُرب تو سارے ہیں وہی
آ کے دیکھو تو سہی بزمِ جہاں ہیں۔ کل تک　　جو تمہارے ہُوا کرتے تھے، تمہارے ہیں وہی
جُھٹپٹوں میں اُنہی یادوں سے وہی کھیلیں گے کھیل　　وہی گلیاں ہیں، وہی صحن، چوبارے ہیں وہی
وہی جلسے، وہی رونق، وہی بزم آرائی　　ایک تم ہی نہیں، مہمان تو سارے ہیں وہی
شامِ غم، دِل پہ شفق رنگ، دُکھی زخموں کے　　تم نے جو پھول کھلائے مجھے پیارے ہیں وہی
صحنِ گلشن میں وہی پھول کِھلا کرتے ہیں　　چاند راتیں ہیں وہی، چاند ستارے ہیں وہی
وہی جھرنوں کے مدھر گیت ہیں، مدہوش شجر　　نیلگوں رُود کے گُل پوش کنارے ہیں وہی
مَے برستی ہے بُلا بھیجو کہاں ہے ساقی　　بھری برسات میں موسم کے اشارے ہیں وہی
بے بسی ہائے تماشہ کہ تری مَوت سے سب　　رنجشیں مِٹ گئیں، پر رنج کے مارے ہیں وہی
تم وہی ہو تو کرو کچھ تو مداوا غم کا　　جن کے تم چارا تھے وہ درد تو سارے ہیں وہی
میرے آنگن سے قضا لے گئی چُن چُن کے جو پھول　　جو خُدا کو ہوئے پیارے، مرے پیارے ہیں وہی
تم نے جاتے ہوئے پلکوں پہ سجا رکھے تھے　　جو گُہر۔ اب بھی مری آنکھوں کے تارے ہیں وہی
منتظر کوئی نہیں ہے لبِ ساحل ورنہ　　وہی طُوفاں ہیں، وہی ناؤ، کنارے ہیں وہی

یہ ترے کام ہیں مَولا، مجھے دے صبر و ثبات
ہے وہی راہ کٹھن، بوجھ بھی بھارے ہیں وہی